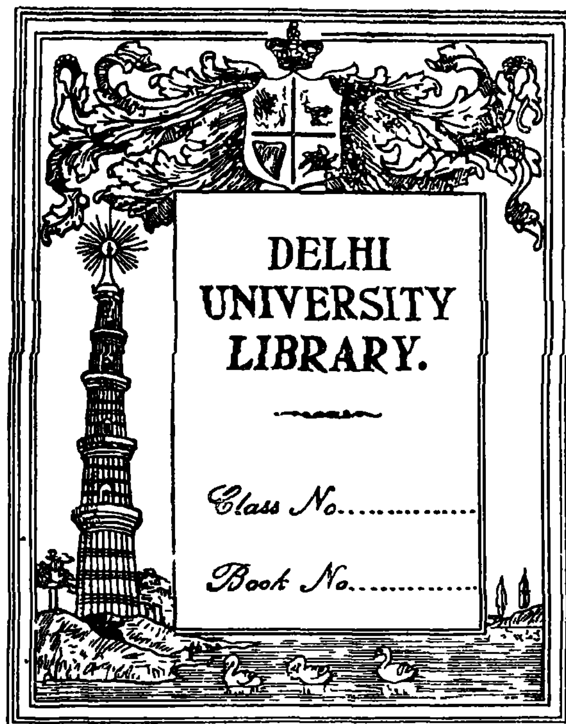


DELHI
UNIVERSITY
LIBRARY.
Class No.............
Book No.............

صراط مستقیم

صراطِ مستقیم

مُصنّفہ

حضرت حبیب الاولیا سیّد اسدالرحمٰن قدسی

اعلی اللہ مقامہم

مطبوعہ لطیفی برقی پریس دہلی

ترتیب مطالب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔

مقدمہ

دوسری صدی ہجری میں جب حکمائے یونان کی دریافت و تحقیقات سے ذیعلم مسلمان واقف ہوئے تو انھوں نے ان علوم کو اپنے اور مسلمانوں کے حق میں مفید خیال کر کے اسلامی سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔

حکمائے یونان کے دو بڑے گروہ تصوّر کئے گئے ایک مشائین دوسرے اشراقین۔ بعض علماء نے مشائین کا چربہ اُتارا اور اسلامی معتقدات کو عقلی استدلال سے ثابت کرنے کا نہج پیدا کیا علم کلام اسی کا نتیجہ ہے۔

بعض صاحب ذوق علماء نے اشراقین کی پیروی کی اور اسلامی اعمال کو اشراقی اصول پر ترتیب دیا تصوّف اسکا ثمرہ ہے۔

جب علم کلام اور تصوّف کے اصول مرتب ہو گئے تو ایک جماعت نے ان دونوں کو ایک ہی علم قرار دیکر علم اصول اسکا نام رکھا اور یہ ایک مکمّل علم تصوّر کیا جانے لگا

پھر آگے چلکر یہ علم دو حصّوں میں تقسیم ہوگیا یعنے نظریات اور عملیات۔ نظریات کو اصول اور عملیات کو وصول سے موسوم کیا۔

ماہرین علم الاصول نے نظریات کا تصوف نام رکھا جس کا موضوع وجود مطلق ہے اور اس میں مراتب ستہ کی بحث ہوتی ہے، اور عملیات کو سلوک کہتے ہیں جسکا موضوع افعال مکلفین من حیث الایصال ہے۔

علم الاصول تو تصوّف ہے اور علم الوصول سلوک ہے، گویا ایک قال ہے دوسرا حال۔ اصول اور تصوّف اور قال ایک ہی چیز ہے اسی طرح وصول اور سلوک اور حال بھی ایک ہیں۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں جب تمام ادیان و مذاہب سے حضرات اہل تصوّف آشنا ہوئے تو ہر ایک کے عقائد و اعمال میں سے اپنے مفید مطلب امور اخذ کر کے ایک عجیب و غریب مجموعہ تیار کر لیا۔

تصوف علمائے تصوّف کا بیان ہے کہ عالم ایک اسم جامع ہے جو بہت سے اجزا مثل زمین و آسمان اور جو کچھ اُنمیں ہے اُن سب پر شامل ہے لیکن جب اطلاق کے ساتھ یہ نام لیا جائے اُس وقت فلکِ اعلیٰ پر واقع ہوتا ہے کیونکہ فلکِ اعلےٰ جملہ اشیاء پر شامل ہے اور سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ عالم

کے کل اجزا، خالق واحد کی مخلوق ہونے میں برابر ہیں اور ان اجزا میں سے
ہر ایک جزو دوسرے جزو سے خالق کی طرف محتاج ہونے میں اور امکان و
ضعف و فنا میں برابری کی نسبت رکھتا ہے کیونکہ خالق کا بلحاظ خالقیت مخلوق میں
تفاوت نہیں ہے بلکہ تفاوت مخلوقات ہی میں ہے، عالم کی ہر صنعت و ہر نوع
نے اپنی قوت اور طاقت کے موافق اپنی صورت اختیار کی،

سب سے پہلی چیز عقل ہے عقل مبدائے اوّل ہے، ایک صاف جوہر
ہے، اپنی ذات میں کامل ہے اور اپنے غیر کی سمجھ رکھنے والا ہے، اسی کو عقل کُلی
کہتے ہیں۔

اولیت کے دو استعمال ہوتے ہیں، ایک اولیت زمانہ کی ہوتی ہے اور
دوسری اولیت رتبہ کی ہوتی ہے، زمانہ کی اولیت مجازی ہے اور مرتبہ کی اولیت
حقیقی، جو چیز زمانہ کے لحاظ سے اوّل ہے ممکن ہے کہ اُس سے پہلے بھی کوئی چیز
اوّل ہو جس کے مقابلہ میں دوسرے درجہ پر آجائے، مگر جو چیز مرتبہ اور حقیقت
میں اوّل ہے وہ اس تغیر سے محفوظ ہے، یہی حقیقی اولیت عقل کے لئے ثابت
کی گئی ہے۔ عقل اوّل ہی سے اشیار کا ظہور ہوا، اور آخر میں سب چیزیں اسی کی
طرف رجوع کرتی ہیں اس لحاظ سے یہی اول ہے یہی آخر ہے یہی مبدا ہے یہی

معاد ہے۔

ذاتِ احدیت کے بعد پہلے مرتبہ پر عقل دوسرے مرتبہ پر نفس تیسرے مرتبہ پر ہیولیٰ چوتھے مرتبہ پر طبیعت پانچویں مرتبہ پر حرکت چھٹے مرتبہ پر ہیولیٰ جسمیہ ساتویں مرتبہ پر افلاک آٹھویں مرتبہ پر ارکان مفردہ و مرکبہ یعنے آتش باد آب خاک نویں مرتبہ پر موالید ثلاثہ یعنے جمادات نباتات اور حیوانات کا مزاج اور دسویں مرتبہ پر انسان۔ جس طرح ۱۰ کے عدد پر گنتی پوری ہو جاتی ہے اسی طرح صورتِ مطلقہ بھی صورتِ انسانی سے کامل ہوتی ہے۔

ذاتِ وراالورا نے پہلا تنزل وحدت میں فرمایا یہ تجلی اجمالی ہے۔ اسمیں دو رُخ ہیں، بطون و ظہور، بطون کا رخ اطلاقِ ذات کی جانب ہے اور ظہور کا رخ اجمالِ صفات کی جانب۔

دوسرا تنزل کثرت میں ہوا جس میں اجمال متذکرۂ بالا نے تفصیل اختیار کی از روئے ظہورِ اسماء و صفات، یہ ظہورِ تفصیلی اپنے پورے کمال کے ساتھ آثار و صورِ حسّی و عینی میں نمودار رہا پھر اس تفصیل نے حقیقتِ آدم میں دوبارہ اجمال اختیار کیا اور اس مرتبۂ جامعیت میں آکر وجود نے اپنے تنزلات کی غایت کو پالیا۔

یہ تو ایک بنیادی ترکیب تھی اس میں بھی اہلِ تصوّف کے دو گروہ ہو گئے ایک نے وحدتِ وجودی کا اعتقاد قائم کیا اور دوسرے نے جو زیادہ دقیقہ رس تھا وحدتِ شہودی کا اعتقاد پیدا کر کے اُن نقائص سے جو وحدتِ وُجود کے اعتقاد پر وارد ہوتے تھے اپنی دانست میں اپنے اعتقاد کو پاک کیا۔

وحدت وجود وحدتِ وجود سے مراد چند مقدمات ہیں جنکی ترتیب سے وحدتِ مرتبۂ وجود بطور نتیجہ حاصل ہوتی ہے، اس مقصد کے سمجھانے کے لئے چند نظیریں بھی مثل پانی، موج، حباب وغیرہ بیان کرتے ہیں، نیز چند اصطلاحات پر اس مقصد کی بنیاد قائم کی ہے جو وحدت، واحدیت، ارواح، مثال، شہادت، سے تعبیر کی جاتی ہیں اور چند الفاظ اپنے مطلب کے اظہار کے لئے مقرر کر لئے ہیں جیسے لاتعین، تعین اوّل، صورِ علمیہ، اعتبار، لا اعتبار، اور تنزلات وغیرہ۔

عقیدۂ وحدتِ وجود کا مدعا یہ ہے کہ ایک موجود نے تمام مظاہر میں جلوہ کیا ہے، اس عالمِ کون میں صرف ایک بسیط ذات موجود ہے جو نہ کُلّی ہے نہ جزئی، اُس ذات سے بے شمار مختلف اور واقعی مظاہر ظہور میں آتے ہیں اور ہر مظہر پر مختلف آثار واحکام مرتب ہوتے ہیں، جو ممکن کہلاتے ہیں اور اس

تعیّن سے قطع نظر جوذات موجود ہے وہی واجب الوجود ہے یعنے ایک مطلق ہستی مختلف شکلوں میں ظاہر ہو رہی ہے جیسے دریا اپنی روانی میں مختلف لہروں کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے، حقیقت میں لہر کوئی جداگانہ ہستی نہیں ہے بلکہ دریا کی ہی ایک شکل ہے اسی طرح اُس ہستیٔ مطلق کے مختلف مظہروں کو آسمان، زمین، حیوان، انسان وغیرہ ناموں اور جداگانہ تشخصوں سے موسوم کرتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ چیزیں جداگانہ ہستی نہیں ہیں اُسی ایک ذات کے مختلف ظہور ہیں۔ اس عقیدہ کے جولوگ قائل ہیں وہ ہر ذرہ کائنات میں جلوۂ خدا کا کامل ظہور بیان کرتے ہیں۔ خود کوزہ وخود کوزہ گر وخود گلِ کوزہ، خود رندِ سبو کش خود برسرِ بازار خریدار برآمد، بشکست وروان شد۔

وحدتِ شہود اہلِ تصوّف کے دوسرے گروہ نے اس عقیدۂ وحدتِ وجودی کے مقابلہ میں وحدتِ شہودی کے اعتقاد کا اثبات کیا ہے۔ توحیدِ شہودی سے مراد چند مقدمات ہیں جنکی ترتیب سے وحدانیت بطور نتیجہ حاصل ہوتی ہے، اس مقصد کو ذہن نشین کرانے کے لئے چند مثالیں جیسے آئینہ، عکس، شخص، وغیرہ پیش کرتے ہیں اس کی بنیاد بھی چند اصطلاحات پر مقرر کی ہے جیسے مرتبۂ ذات، حالاتِ ذاتیہ، صفات، اسمار، ظلال اسمار، لامکان، نیز اپنی غرض بیان

کرنے کے لئے چند الفاظ وضع کئے ہیں جیسے اصل، ظل، اصل الاصل، قوس، مرکز، دائرہ، عکوس اسماء، عدماتِ اعتباریہ، ممکنات وغیرہ، ان کا بیان ہے کہ ہر چیز کے مقابل میں اسکی ضد ہوا کرتی ہے مثلاً علم کے مقابلہ میں جہل اور نور کے مقابلہ میں ظلمت لیکن ایسی ضدیں عدم محض ہوتی ہیں یعنے جہالت علم کا عدم ہے اور ظلمت نور کا نہ ہونا، اسی طرح صفات کاملہ کے مقابل انکی ضدیں یا اعدام ہونگے اور ان اعدام نے ہر ایک صفت کے مقابل ہونے کے سبب کسی قدر امتیاز حاصل کرلیا ہوگا مثلاً نہ ہونا ایک مطلق مفہوم ہے اور علم کا نہ ہونا یا قدرت کا نہ ہونا اس مطلق مفہوم کی ممتاز فردیں ہیں، ان اعدام ممتازہ پر صفات الٰہی کا عکس پڑا ہوگا جس طرح انسان کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے چنانچہ یہ کائنات وہی صفات خداوندی کا عکس یا سایہ ہیں جن میں اعدام ممتازہ بمنزلہ مادّہ کے ہیں اور عکوسِ صفات بمنزلہ صورت کے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ کائنات وجود اور عدم دونوں کی قابلیت رکھتی ہے اور اسی لئے اس سے خیر و شر دونوں طرح کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں تصوّف نے ایک ہمہ گیر عظمت حاصل کی، یوگیانِ ہند کے علوم قدیمہ سے بہت معتقدات و اعمال اخذ کرکے داخل

تصوف کئے گئے اور ایک معجون مرکب تیار ہوگیا دسویں صدی ہجری کے بعد سے تو تصوف ایک طلسم ہوشربا بنگیا۔

دنیا میں ایک بڑا گروہ ایسے لوگوں کا بھی پایا جاتا ہے جسے تصوّف سے صرف کتابی تعلق ہوتا ہے یہ لوگ بزعم خود صوفی ہیں اور اصطلاحات صوفیہ کے جاؤبیجا استعمال میں بہت غُلو رکھتے ہیں، محسوسات میں ہنوز مقید ہیں، کشف وسلوک کے راستہ میں قدم تک نہیں رکھا، مشاہدہ کی ہوا بھی نہیں لگی، مگر کتابی معلومات اور عقل کی طبع آزمائیوں کے زور سے اُڑنے کی سعیِ لاحاصل میں مبتلا ہیں، اس گروہ نے اصطلاحاتِ صوفیہ کا ایک جداگانہ فن بنالیا ہے بے شمار اصطلاحیں، بے معنی محاورے اور بعید از قیاس جُملے وضع کرلئے ہیں۔

سلوک تصوّف کا دوسرا حصّہ سلوک کہلاتا ہے، سلوک کے طریقے بکثرت ہیں ہر ایک کی تعلیمات جداگانہ ہیں، ان تعلیمات کی ابتدا تو اشراق سے ہوئی ہے مگر اور بھی اِدھر اُدھر کے اعمال وقتاً فوقتاً داخل سلوک ہوتے رہے ہیں۔

یہ سب طریقے صراط مستقیم سے بہت دور ہیں، طریقت اسلامیہ سے ان طریقوں کو تعلق نہیں ہے اگرچہ صوفیوں نے تصوف کو اور سلوک کے جملہ طرق کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنیکی کوشش بلیغ کی ہے اور اسی کوشش کا نتیجہ ہے

کہ اسکو عالمگیر وسعت و شہرت حاصل ہوئی اور سادہ لوح مسلمان اس میں مبتلا ہو کر تباہی و بربادی کا شکار ہوئے۔

بانیانِ تصوف کی نیت کوئی فتنہ پیدا کرنے کی نہیں تھی انھوں نے اپنی دانست میں تصوف کو مسلمانوں کے لئے مفید خیال کیا تھا اسلئے اس کو رواج دیا مگر بہت بد باطن لوگوں نے اور گمراہ فرقوں نے اس میں شامل ہو کر اس کو خراب کر دیا۔

اقسام صوفیہ آجکل عام طور سے صوفیوں کو درویش اور پیر کہا جاتا ہے، ان صوفیاء کرام کی تین قسمیں ہیں:-

اصحابِ اصول، اصحابِ وصول، اصحابِ فضول۔

(۱) اصحابِ اصول تو وہ لوگ ہیں جو تصوف کی مباحثِ علمیہ میں مشغول رہتے ہیں اور اصطلاحات کی الٹ پھیر میں اور نئی نئی اقسام کی کیفیات میں مبتلا رہتے ہیں۔

(۲) اصحابِ وصول وہ لوگ ہیں جو اعمال و اشغال میں لگے رہتے ہیں، وساوس کو واردات اور تخیلات کو تجلیات اور خوابوں کو مکاشفات گمان کرتے ہیں، مظنونات کو القا اور اضغاث احلام کو الہام جانتے ہیں اور مریدوں کے

سامنے بیان کرتے ہیں۔

(۳) اصحابِ فضول وہ لوگ ہیں جنھیں سلوک وتصوف کی ہوا بھی نہیں لگی، دنیا کمانے کی غرض سے یا پیرزادگی کی شان کے نباہ کی خاطر صوفیانہ وضع قطع اختیار کرلیتے ہیں، ان میں بکثرت وہ لوگ ہوتے ہیں جو زندگی کے ہر شعبہ میں ناکامیابیوں کے طمانچے کھا کھا کر کوچہ فقر میں آکر پناہ لیتے ہیں اور اس روپ کو ذریعہ معاش بناتے ہیں، ان لوگوں کو عبادات وریاضات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا نہ مشاہدات ومجاہدات سے علاقہ، ان کی پیری کا دارومدار چند شجرے، چند مصطلحات صوفیہ، چند تعویذ گنڈے، چند وظیفے حاضرات ودست غیب، چند عملیات تسخیر وحب وبغض، چند فالنامے، اور چند شعبدوں پر ہے۔

ان کے علاوہ بھی درویشی کی قسمیں ہیں، بکثرت درویش وہ ہیں جو جرائم پیشہ ہیں اخفائے جرم کے لئے درویشی وضع بنائی ہے اور بعض درویش وہ ہیں جو خفیہ پولیس کے ملازم ہیں مجرموں کی تلاش کے لئے درویشانہ روپ اختیار کیا ہے۔

ان اصحابِ فضول کی کثرت نے بیچارے اصحابِ اصول اور اصحابِ وصول کی دوکانیں سرد کردی ہیں۔ ان لوگوں نے وہ وہ عجیب ترکیبیں مخلوق کو

پھانسنے کی نکالی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے پڑھے لکھے لوگوں تک کو اپنے جال میں پھانس لیتے ہیں۔

ان لوگوں نے قوائے عملیہ کے تعطل کا نام توکل رکھا ہے، خیرات وصدقات کو فتوح کہتے ہیں، عقائد متزلزل و متذبذب، اخلاق تباہ وخراب، معاملات پراگندہ اور حالات ناگفتہ بہ، اسپر کوئی تو ولایت کا دعویدار ہے کوئی غوثیت کا، کوئی قطب ہے کوئی ابدال ہے، کوتوال سے لیکر بادشاہ تک کے اختیارات ان کو حاصل ہیں، سادہ لوح مسلمان ان اخوان الشیاطین کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

طریقوں کی تقسیم خاندانوں اور خانوادوں میں کی گئی ہے، ہندوستان کیلئے چار پیر چودہ خانوادے مقرر ہیں، سلسلوں کی ترتیب کو شجرات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور بجائے تلاوت کلام اللہ مریدوں کو اپنے سلسلہ کا شجرہ روزانہ صبح پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے، ان شجروں میں اہل حق اولیاء اللہ کے نام بکثرت داخل کئے گئے ہیں اور بکثرت اقوال و ملفوظات اِن بزرگان برحق کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور ان پر سلوک کی تعلیمات کا انحصار رکھا جاتا ہے، یہ اولیاء اللہ جن کے مبارک نام ان شجروں میں پائے جاتے ہیں صوفی نہیں تھے،

بلکہ زمرۂ اہلِ حق میں سے تھے، ان اولیاء اللہ کے نام شجروں میں اس لئے داخل کئے گئے کہ سلسلہ مستند یقین کیا جائے، بکثرت دوہے، اشعار، اور مقولے مثل موضوعی حدیثوں کے خود وضع کرکے ان بزرگانِ دین کے ملفوظات میں داخل کردئے ہیں، ہر سلسلہ اور طریقہ اور اُس کی غیر اسلامی تعلیمات و معتقدات اہلِ حق اولیاء اللہ میں سے کسی نہ کسی کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، حالانکہ تمام اہلِ حق اولیاء اللہ کا ایک ہی طریقہ رہا ہے اور وہ یہی طریقتِ اسلامیہ ہے جسکو صراطِ مستقیم کہتے ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر صحت و سند کے ساتھ سینہ بسینہ چلی آرہی ہے جس کی تعلیمات خالص اسلامی اور ہر طرح کے شرک و بدعت سے پاک ہیں۔

اکثر طالبانِ حق ایک ایسی کتاب کے خواہشمند تھے جس میں تصوّف کی آمیزش سے پاک خالص اسلامی طریقت کی تعلیمات ہوں، یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ تصوف کے مسائل سکۂ رائج الوقت کی طرح مروج ہوکر طریقت اسلامیہ میں اس طرح مخلوط ہوگئے ہیں جیسے دودھ میں پانی بہرحال شائقین کا اصرار اور طالبین کی ضرورت کو ملحوظ رکھکر بتائید ربّانی یہ کتاب لکھی گئی، مولا تعالیٰ جل جلالہ قبول فرمائے اور طالبانِ راہ حق اس سے کثیر فوائد حاصل کریں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔

اسد الرحمٰن قدسی

آستانہ، بھوپال
یکم رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ

اُس کا کوئی وزیر و مشیر نہیں ، وہ ہر چیز پر قادر ہے ، ہر چیز کا دانائے حال ہے، خالق کائنات ہے ، غرض وہ تمام صفات جن کے ساتھ اُس کا وصف کیا گیا ہے سب اُسی کی ذات بے ہمتا کے لئے ہیں ، وہ ان صفات کا محتاج نہیں ہے بلکہ یہ تمام صفات اُسکے ساتھ قائم بالذات ہیں۔

رسالت چونکہ احکاماتِ الٰہی حضراتِ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے توسط سے ہم کو ملے ہیں اس لئے اُن کی نبوت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے جو شخص صرف توحید پر اکتفا کرکے اپنے خود ساختہ طریقوں سے عبادت کرے اور انبیا کی ہدایات سے گریز کرے اُس پر ملاءِ اعلےٰ کی لعنت ہوا کرتی ہے اور شیاطین اُس کے راہنما ہو جاتے ہیں ، نبی کا اتباع ضروری ہے کہ بغیر اُن کی اتباع کے راہِ راست نہیں ملتی ، جملہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اصل دین ایک ہی تھا یعنے اسلام تمام انبیا اپنے سے پہلے نبی کی تصدیق کرتے رہے ، جب جب لوگ اپنے پہلے انبیا کی تعلیمات سے دور ہوتے رہے تب ہی کسی نئے نبی کا ظہور ہوتا رہا ، اسی طرح کتب آسمانی بھی ایک دوسری کی مصدق ہوتی رہیں اور جو کچھ تحریف پہلی کتابوں میں ہوئی اس کی تصحیح کرتی رہیں یہی وجہ ہے کہ ہم کو سب نبیوں پر ایمان لانا ، اُن کی شریعتوں کو برحق جاننا ، اُن کی کتابوں کا یقین کرنا اور سب کا ایک ہی

دین سمجھنا فرض ہے، سب انبیا علیہم السلام اصولِ دین پر متفق ہیں اصل دین میں کبھی اختلاف نہیں ہوا بعض طریقوں میں باقتضائے حالات اختلاف ہوا ہے جیسے شریعت موسوئی میں نماز کے وقت بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور شریعت محمدی میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

عقائد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیا و رسل گذرے ہیں سب کا یہی دین تھا کہ عبادت و استعانت صرف اللہ عزوجل کا حق ہے، جو باتیں رب العزت کی بارگاہِ قدس کے نامناسب ہیں اُن سے وہ منزہ اور پاک ہے، بندوں پر اللہ کا حق ہے کہ اُس کی انتہا درجہ کی تعظیم کریں، اپنی جانوں اور دلوں کو اللہ کے حوالے کریں، شعائر اللہ کے ذریعہ سے قرب ربانی حاصل کریں اور اس بات کا پورا اعتقاد رکھیں کہ حوادث کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ قادر نے حوادث کو مقدر کر دیا تھا، فرشتے اللہ کے بندے ہیں وہ اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اُنھیں جو حکم ملتا ہے اُس کی تعمیل بڑی سرگرمی سے کرتے ہیں اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے کتاب نازل فرماتا ہے اُس کی اطاعت بندوں پر فرض کرتا ہے۔

قیامت کا برپا ہونا، جنت و دوزخ کا ہونا، سب حق ہے اسی طرح تمام انبیا علیہم السلام اقسامِ طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اور عبادات میں متفق ہیں، نکاح اور حرمتِ زنا پر متفق ہیں، عدل و انصاف قائم کرنے پر متفق ہیں، ہر طرح کے ظلم کو حرام بتانے پر متفق ہیں، نافرمانوں پر حدود قائم کرنے میں متفق ہیں، غرض تمام انبیا اور اُن کی کتابیں اور اُن کی شریعتیں سب ایک دوسرے کے مصدق ہوتے رہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم سب انبیا علیہم السلام کو اللہ جل شانہ کے برگزیدہ اور مقبول بندے جانیں، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں اب کوئی نبی آنے والا نہیں، اللہ جل مجدہٗ نے پیغمبروں کی تعداد ہم کو نہیں بتائی،

"منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك"

ان میں سے بعض کے حالات تم کو بتائے اور بعض کے حالات نہیں بتائے۔

بہر کیف جو معلوم ہیں اور جو نہیں معلوم وہ سب اللہ کے نبی ہیں اور دعوائے رسالت میں سچے، اُن سب کا ایک ہی دین تھا یعنے اسلام۔ پیغمبروں پر ایمان لانے میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں مگر مقبول اور برگزیدہ بندے، اُن کو اللہ قادر کے اختیارات میں کچھ بھی دخل نہیں یہاں تک

کہ اپنا نفع وضرر بھی اُن کے اختیار میں نہ تھا "قل لا املك لنفسی نفعًا و لا ضرا الا ما شاء اللّٰہ" اے پیغمبر لوگوں سے کہدو کہ میرا اپنا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ "ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون" اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھکو کسی طرح کا گزند ہی نہ پہنچتا، میں تو ان لوگوں کو جو اللہ پر ایمان لانا چاہتے ہیں دوزخ کا ڈر اور بہشت کی خوشخبری سنانے والا ہوں۔

سوائے اس کے کہ پیغمبروں پر وحی نازل ہوتی ہے اور وہ تبلیغ وحی میں کسی طرح کی خطا نہیں کر سکتے باقی تمام خواص بشری ان میں موجود ہوتے ہیں اور اس سے ان کی شان رسالت میں کسی طرح کا ضعف لازم نہیں آتا، الغرض رسالت ایک مرتبہ ہے بین العباد و بین اللہ، اللہ سے فروتر اور تمام بندوں سے برتر۔

عبودیت تصحیح اعتقاد کے بعد اتقا کا دوسرا مرتبہ اخلاص اور توکل کی صحت کرنا ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ تمہارے سب کام لوجہ اللہ ہوں یعنے جو کام بھی تم کرو اس میں تمہارا دل مخلوق کی طرف اور مخلوق کی مدح و ثنا کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہو۔ اور توکل یہ ہے کہ تم کو حق تعالیٰ کے وعدوں پر وثوق کامل اور یقین کلّی

پیدا ہو جائے کہ جو چیز تمھاری قسمت میں ہے وہ ضرور تم کو ملے گی اگرچہ سارا جہان خلاف ہو جائے اور جو چیز تمھارے مقسوم میں نہیں ہے وہ تم کو کبھی ہرگز نہیں مل سکتی خواہ سارا جہان تمھارے ساتھ مل کر کوشش کرے۔

جب اتقا صحیح ہوتا ہے عبودیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، انسان کے کمالات میں سب سے اشرف عبودیت ہے صبر و قناعت، ایثار و خلوص، اور تسلیم و رضا مراتب عبودیت ہیں۔

جب شانِ عبودیت صحیح ہو جائے تو قربِ ربّانی کے حصول کا راستہ تلاش کرنا چاہیئے اور یہ راستہ بغیر راہنما کے ملتا نہیں ہے اس لئے وسیلہ کی ضرورت ہے۔" فمن اسلم فاولئك تحروا رشدا " جس نے خود میں صلاحیت پیدا کرلی تو گویا راہ رشد کا قصد کیا۔

" قال لہ موسیٰ هل اتبعك علیٰ ان تعلمن مما علمت رشدا "

اِس آیت شریف سے معلوم ہوا کہ راہ رشد مرشد ہی سے ملتی ہے، بغیر مرشد کے نہیں مل سکتی، اسی لئے وسیلہ کی ہدایت ہے۔

وسیلہ | ایسے ہی شخص کو وسیلہ بنانا چاہیئے جو راہ رشد طے کر کے مقام قرب میں پہنچا ہو " واتبع سبیل من اناب الی "

اُس کا اتباع کرو جس نے میری طرف رجوع کیا یعنے مقام قرب میں پہنچا ہوا ہو، اللہ جل مجدہٗ جس کی ہدایت چاہتا ہے اُسے کوئی سچّا راہنما مل جاتا ہے اور جس کی ہدایت منظور نہیں ہوتی اُسے کوئی رہبر نہیں ملتا جیسا کہ ارشاد ہے "من یھدی اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا" اس آیت شریف میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مرشد کے لئے ولی ہونا بھی ضروری ہے بے شک سچّے مرشد تو اولیاء اللہ ہی ہو سکتے ہیں، اولیاء اللہ کی شان میں ارشاد ہے "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" ایسے ہی ولی مرشد ہو سکتے ہیں نہ کہ یہ پیران پارسا جو حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔

چونکہ بکثرت مکار و دغا باز ولایت کے دعویدار ہیں اور عوام الناس کو شناخت کا سلیقہ نہیں اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ واقفیت عامّہ کے لئے ولایت کے آثار و خواص کو بیان کر دیں۔ یہ آثار و خواص غیر ولی میں ہر گز ہر گز جمع نہیں ہو سکتے :-

اعتمادِ علی اللہ[۱]، تسلیم و رضا[۲]، استغنا[۳]، تموّل و ناداری کی مساوات[۴]، ہمت و شجاعت[۵]، شرافت و نجابت[۶]، جرأت و استقامت[۷]، عزّت و حرمت[۸]،

رعب[۹] وغلبہ، غیرت[۱۰] وحمیت، جود[۱۱] وسخا، جذبِ[۱۲] قلوب، تاثیرِ[۱۳] کلام، برکتِ[۱۴] صحبت، دلی آسودگی[۱۵]، نفس[۱۶] وطبیعت کے ساتھ جہادِ دائمی، اور ماسوی[۱۷] اللہ سے انقطاع،۔

جس شخص میں مذکورہ خواص وآثار نہ ہوں وہ ہرگز ہرگز ولی نہیں۔

جب کوئی ولی اللہ مرشد مل جائے تو اس سے راہِ رشد کی تعلیم حاصل کرو اور اُس کی ہدایت پر صبر واستقلال سے عمل کرو تاکہ تم صراطِ مستقیم پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے قبل حق سبحانہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام سے راہِ رشد کی تعلیم حاصل کریں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب الحکم باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ حضرت خضر علیہ السلام سے ملے اور کہا کہ اگر آپ راہ رشد تعلیم کریں تو میں آپ کی صحبت میں کچھ دن رہوں انھوں نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے کیونکہ اس راہ کی بعض باتیں فہم سے بالا ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے معاملات میں مداخلت نہیں کرونگا نہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرونگا۔ اس قصہ میں اللہ جل مجدہٗ نے طالبانِ حق کو چند باتوں کی ہدایت فرمائی ہے

ایک تو یہ کہ طریقت کی تعلیم سیکھنے ہی سے حاصل ہوتی ہے دوسری یہ بات کہ طریقت یا راہِ رشد کے حصول کے لئے صحبت و خدمتِ مرشد بھی ضروری ہے تیسرے صبر و استقلال اور چوتھے اطاعت کا معاہدہ کرنا اور معاہدہ پر قائم رہنا۔

"فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسه ومن اوفیٰ بما عاهد علیه الله فسیوتیه اجراعظیماً"

اسی اطاعت کے معاہدہ کو بیعت کہتے ہیں، بیعت دو قسم کی ہوتی ہے ایک بیعت حقیقی دوسری بیعت رسمی۔

بیعتِ حقیقی تو یہی ہے کہ اتقا کی تصحیح کے بعد کسی ولی اللہ مرشد سے راہِ رشد کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اطاعت و فرمانبرداری کا معاہدہ کرنا اور اس کی ہدایات پر عمل کرنا۔

اور بیعت رسمی کے لئے اتقا کی ضرورت نہیں کیونکہ طریقت یا صراطِ مستقیم کے لئے تو یہ بیعت ہوتی نہیں ہے بلکہ یہ تو محض ایک شیطانی مشغلہ ہے اس کی حقیقت بھی اس خبیر مطلق جل شانہ نے ارشاد فرمادی ہے۔

"اولئك الذین اشتروا الضلالة بالهدیٰ فما ربحت تجارتهم وما کانوا مهتدین مثلهم کمثل الذین استوقد نارا فلما اضاءت

ماحولہ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمت لا یبصرون صم بکم عمی فھم لا یرجعون ‘‘

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی، ان کو اس تجارت نے کچھ نفع نہیں دیا نہ انھوں نے راہ پائی، انکی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ جلائی اور لوگ اس کی روشنی میں جو اطراف میں پھیل گئی تھی جمع ہو گئے تو اللہ نے اس روشنی کو لے لیا اور آگ بجھ گئی اب وہ ایسی تاریکی میں رہ گئے کہ دیکھ ہی نہیں سکتے، بہرے، گونگے، اندھے اور ایسے کہ اس حال سے لوٹ ہی نہیں سکتے ۔

مجاہدہ اتقا کی صحت کے بعد جب طالب حق کسی مرشد کامل سے تعلیم طریقت یا راہِ رشد کے حصول کے لئے اطاعت کا معاہدہ کرتا ہے تو مرشد پہلے طالب سے توبہ کراتا ہے کیونکہ مجاہدہ کی ابتدا توبہ سے ہوتی ہے ’’ استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یرسل السماء علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم ولا تتولوا مجرمین ‘‘ پہلے استغفار کرو یعنے اپنی تمام خطاؤں کی معافی مانگو پھر توبہ کرو کہ آئندہ کوئی خطا نہ کریں گے یہ گذشتہ خطاؤں کی معافی مانگنا اور آئندہ خطا نہ کرنے کا عہد کرنا صدق وخلوص کے ساتھ ہونا چاہیئے تاکہ تمپر موسلا دھار رحمت برسائی جائے اور قوت پر قوت بڑھائی جائے کہ پھر تم خطا وار ہی نہ ہو سکو اور تاحیات بہترین فوائد حاصل ہوتے رہیں۔ ہمتعکم

متاعًا حسنًا الی اجل مسمی۔

جب مرشد کامل کے دست حق پرست پر طالب صادق صحیح توبہ کرچکتا ہی تو مجاہدہ کی تعلیم کی جاتی ہے۔

"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللّٰہ لمع المحسنین" جس نے ہماری راہ میں مجاہدہ کیا تو ہم اس کو اپنی راہ دکھائیں گے اور بے شبہ اللّٰہ اُن کے ساتھ ہے جو احسان کی راہ چلتے ہیں یعنے اہل طریقت۔

اور ارشاد ہوتا ہے "یاایھا الانسان انك کادحٌ الی ربك کدحًا فملقیہ" اے انسان تجکو اپنے پروردگار تک پہنچنے میں کوشش کرنی چاہیئے پوری طرح جان توڑ کوشش، پھر تو اس سے جا ملے گا۔

اس وعدۂ ربّانی کے بھروسہ پر طالبان حق مجاہدہ کرتے ہیں اور فضل الٰہی سے مراد کو پہنچتے ہیں۔

مجاہدہ دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک تزکیہ نفس دوسرے تصفیہ قلب، تزکیہ نفس کے لئے اخلاق و معاملات میں احکاماتِ شرعی کے بموجب عمل کرنا، خواہشات نفس کی پیروی نہ کرنا، حلال روزی پیدا کرنے کے جائز وسائل مہیّا کرنا، اور ہر کام میں افراط و تفریط سے بچکر مطابق فرمان نبویؐ اعتدال و

میانہ روی اختیار کرنا لازمی امور ہیں،
تصفیہ قلب کے لئے عبادات کی بجاآوری اور سرگرمی کے ساتھ معمولات طریقہ کی پیروی ضروری ہیں،
پہلے اُن امور کو بیان کرتے ہیں جو تزکیہ نفس سے متعلق ہیں :-

تزکیہ نفس جس طرح نجاسات اور میل کچیل جسمانی امراض کا سبب ہوتے ہیں اسی طرح اخلاق و معاملات کی خرابی سے نفسانی امراض پیدا ہوتے ہیں اس لئے اخلاق کی درستی اور معاملات کی صفائی کی کوشش ہمیشہ جاری رکھنا چاہیئے، نفس وطبیعت کے ساتھ دائمی جہاد کی ضرورت ہے جب غفلت ہوگی باطنی امراض پیدا ہونگے۔

"واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي الماوىٰ" اور جو ڈرا کہ ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہونا ہوگا اور اس خوف سے ہوائے نفس سے اجتناب کیا اُس کی جگہ بے شک جنت ہوگی،

نفس کے دو رُخ ہوتے ہیں ایک ظہور کی طرف دوسرا بطون کی طرف، ظہور کی طرف جو رُخ ہوتا ہے اُس سے عادات رذیلہ وخصائل ذمیمہ پیدا ہوتے ہیں اور بطون کے رُخ سے اوہام ناقص اور وسواس فاسد پیدا ہوتے ہیں،

ظاہر کی اصلاح اطوار و اوصاف کو اسلامی اخلاق کے ساتھ آراستہ کرنے سے ہوتی ہے اور باطن کی اصلاح افکار عالیہ و اشغال شریفہ سے ہوتی ہے ، اس لئے طالب حق کے لئے اشد ضروری ہے کہ وہ بڑی ہی سرگرمی کے ساتھ تزکیہ نفس کرے۔ لیکن اعتدال کو ہر حال میں ملحوظ رکھے ۔

اللہ جل شانہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا وہ تو تم کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ تم پر اپنا احسان پورا کرے تاکہ تم اُس کے شکر گذار بندے بنو ۔

خواہشات نفسانی کے روکنے کے لئے طریقت اسلامیہ کی تعلیمات نہایت معتدل اور مفید ہیں نفس کو بگاڑ ڈالنا تزکیہ نہیں ہے ، حق سبحانہ تعالیٰ نے جہاں تزکیہ کا حکم دیا ہے نفس کو بگاڑنے اور تباہ کرنے کی ممانعت بھی فرمائی ہے ،

" قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا " اُس نے فلاح پائی جس نے تزکیہ نفس کیا اور وہ گمراہ ہوا جس نے اپنے نفس کو بگاڑ دیا ۔

جس طرح زیادہ خوری سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح ترک غذا سے سخت عوارض لاحق ہوتے ہیں ۔ اہلِ حق نے رفتہ رفتہ بھوکے رہنے کی عادت ڈالی ہے وہ جسم کو قائم رکھنے کی ضرورت سے زائد کھانے کو کبھی پسند نہیں کرتے

زیادہ خوری سے باز رہتے ہیں اتنا ہی کھاتے ہیں جو بدن کی قوت کو فی الجملہ قائم رکھے ، اس بات میں اصحاب طریقت نے بہت سر چشمے پائے ہیں اور ایسا کرنا صحت و تندرستی کے لئے بھی نہایت ضروری ہے ، سنت یہ ہے کہ شکم کے تین حصے قرار دیے جائیں ایک حصہ کھانے سے ایک حصہ پانی سے اور ایک حصہ سانس کو آزادی سے آنے جانے کے لئے خالی چھوڑا جائے اکثر اصحاب طریقت ہفتہ میں ہمیشہ ایک دو روزے رکھتے ہیں چلہ میں تو روزہ لازمی ہے بغیر چلہ کے بھی اگر روزہ اکثر رکھا جائے تو بہتر ہے ، غذا ہمیشہ سادہ اور ہلکی زود ہضم کھانی چاہیئے ، ثقیل و مرغن غذا اچھی نہیں -

جس طرح زیادہ سونے سے حواس معطل ہوتے ہیں اسی طرح بالکل نہ سونے سے خلل دماغ پیدا ہوتا ہے - شب بیداری کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اوّل وقت عشا پڑھکر سو جانا چاہیئے اور آدھی رات کے بعد اُٹھ کر تہجد طول قرأت اور خشوع کے ساتھ پڑھنا چاہیئے اس کے بعد ذکر قلبی میں فجر کی نماز تک مشغول رہیں - دن کا سونا بہت مضر ہے ، گرما میں دوپہر کے وقت تھوڑی دیر کے لئے سو جائیں ، زیادہ سونے سے بعض بیماریاں پیدا ہوتی ہیں -

افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کے ساتھ تزکیہ کرنا مستحسن ہے - اسی کے متعلق

ورزش بھی اشد ضروری ہے جو مناسب سمجھیں ورزش کریں اس سے سستی اور کاہلی دور ہو کر چستی اور جولانی پیدا ہوتی ہے، ورزش نہ کرنے سے اکثر بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

طالبِ حق کو ہر وقت خاموش رہ کر ذکرِ قلبی اور پاس انفاس میں مشغول رہنا چاہیئے: زیادہ گوئی سے ضعفِ قلب پیدا ہوتا ہے، جب اشد ضرورت ہو اُسوقت کلام کرے ورنہ خاموشی کے ساتھ اپنا کام کرتا رہے۔

چلّہ کشی مجاہدہ کا بڑا رکن چلّہ کشی ہے سب سے اہم اور بے حد ضروری رکن ہے اس کے بغیر مجاہدہ مکمل ہی نہیں ہوسکتا، چلہ کشی انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کی مخصوص چیزوں میں سے ہے تمام اولیاء اللہ اسی کی برکت سے فیضیاب ہوئے ہیں، جس کی گذران اپنی ذاتی قوت بازو کی جائز کمائی پر ہو اُسی کو چلّہ کشی اختیار کرنی چاہیئے اور جس کی گذران خیرات و صدقات، زکوٰۃ و نیاز، اور یا کسی ناجائز ذریعہ سے ہو اُسے اس راہ میں قدم نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ ایسی روزی کھانے والا ساری عمر کامیاب نہیں ہوسکتا، قرض کا کھانا چلہ کشی میں سم قاتل کا حکم رکھتا ہے اس سے بھی پرہیز کیا جائے اور اگر پہلے سے مقروض ہو تو قرض ادا کرنے کے بعد چلّہ کشی کرے۔

اگر کہیں سے بغیر کسی خدمت کے تنخواہ پا رہا ہو تو یہ بھی چلہ میں جائز نہیں جیسا کہ پیرانِ پارسا اور صوفیانِ باصفا مریدوں کے سہارے زندگی بسر کرتے ہیں یا بعض کسی مخیر امیر یا کسی صاحب خیر رئیس کے خیرات خانہ سے وظیفہ پاتے ہیں اور اپنی پیرزادگی و سجّادگی پر نازاں ہیں، طالبانِ حق کو ایسی روزی سے احتراز کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے علاوہ سستی اور کاہلی کے شقاوت قلبی، بے حسی اور بے غیرتی پیدا ہوتی ہے۔

چلّہ کو اربعین کہتے ہیں اس کے ساتھ اعتکاف بھی ضروری ہے، چلہ چالیس دن کا ہوتا ہے "وواعدنا موسیٰ ثلٰثین لیلۃ واتممنٰہا بعشرٍ فتم میقات ربہ اربعین لیلہ" ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غار حرا میں چلہ کیا چنانچہ حدیث شریف میں ہے "من اخلص للہ تعالیٰ اربعین صباحًا ظہرت لہ ینابیع الحکمۃ علیٰ لسانہ من قلبہ"

اعتکاف بغیر چلّہ کے بھی ہوتا ہے تین دن پانچ دن سات دن یا اس سے زیادہ، چلّہ کی طرح اعتکاف بھی انبیا علیہم السلام کی چیز ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے اللہ جل شانہ نے عہد لیا تھا کہ بیت اللہ کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، اور نماز پڑھنے والوں کے لئے پاک رکھو

" وعہدنا الیٰ ابراھیم واسمٰعیل ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود "

حضرت ابراہیمؑ سے قبل کے انبیا میں بھی اعتکاف تھا جو بگڑ بگڑ اکر مشرکوں میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا " قالوا نعبد اصناما فنظل لھا عاکفین " کفار کہنے لگے ہم تو بتوں کے لئے اعتکاف کرتے ہیں۔

اعتکاف بڑی ہی ضروری چیز ہے، باطنی کشود کار کے لئے پورے چالیسؒ دن کا اعتکاف کرنا چاہیئے۔ جس کو چلہ یا اربعین کہتے ہیں، چلّہ کی شرائط یہ ہیں:۔ روزہ ، شب بیداری ، خاموشی ، قلت طعام ، اور بعض مباحات کا جن کی اشد حاجت نہ ہو ترک کرنا ، چلّہ مسجد میں افضل ہے نماز با جماعت اور جمعہ سے بھی مستفیض ہو سکتا ہے اور اگر مسجد میں کسی جائز وجہ سے یا اپنی کسی قوی مصلحت کی بنا پر نامناسب ہو تو کسی ویرانہ میں یا تنہا مکان میں چلہ کشی کی جا سکتی ہے۔

سب سے اہم مسئلہ جس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا اور اس عدم توجہی کے سبب باطنی کشود کار میں سخت ترین رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، پاک اور ناپاک کھانے کا معاملہ ہے، حلال و حرام سے تو سب ہی واقف ہیں مگر پاک اور ناپاک پر غور نہیں کیا جاتا حالانکہ حلال کے ساتھ پاک کی بھی قید ہے " احل لکم الطیبات " اور " کلوا من الطیبات " اور

"کلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً" جو حلال چیز پاک نہ ہو وہ خبائث میں داخل ہے اور خبائث کے لئے یہ حکم ہے "یحرم علیہم الخبائث" مشرکین کے ہاتھ کا مشرکین کے گھر کا مشرکین کی دوکان کا کھانا اور کھانے کی چیزیں ناپاک ہیں کیونکہ "انما المشرکون نجس" اور پھر جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا فسق ہے "ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق" حیرت ہے مسلمان کس طرح غیر مسلم کے یہاں کی چیزیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا کھاتے ہیں اور فسق میں مبتلا ہوتے ہیں، مشرک نجس ہیں ان کے یہاں کی کھانے کی چیزیں بھی نجس ہیں جو خبائث میں داخل ہیں۔

ہر طالب صادق کو یقین کے ساتھ جاننا چاہیئے کہ بغیر مجاہدہ اور تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کے اصلاحِ باطن محال ہے، محض علومِ ظاہری سے کمالاتِ باطنی حاصل نہیں ہوا کرتے، آج بکثرت ایسے اہل علم ہیں جن کے علامہ ہونے میں کلام نہیں اور وہ اوامر و نواہی کے بھی نمونہ ہیں اور پوری طرح متبع شریعت ہیں مگر نفس کی شرارتوں سے مامون نہیں ہیں یعنی غصّہ، حسد، غرور، حرص، ریا، بخل، تکبر اور عُجب وغیرہ اوصاف رذیلہ میں سے اکثر اوصاف اُن میں پائے جاتے ہیں، جو ثبوت ہے اسکا کہ یہ اُس نعمتِ قربِ ربّانی سے محروم ہیں جس پر

شرافت اور طمانیت کا انحصار ہے۔ اگر ظاہری علوم ہی صلاح و فلاح کا ذریعہ ہوتے تو تمام اہل علم عارفان حق ہو گئے ہوتے۔

اصحاب طریقت کے نزدیک انسان اُسوقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ معقولات و منقولات کے محدود دائرہ سے نکل کر مشہودات کے میدان میں قدم نہ رکھے اور یہ دولت بغیر مجاہدہ کے حاصل ہوتی نہیں ہے، اس لئے محض علم ظاہر پر اکتفا کرنا کمالات بشری سے محروم رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم باوجود علمی رفعتوں پر فائز ہونے کے اطمینان قلب جیسی نعمت سے محروم ہیں اور یہ وہ نعمت ہے جو ہر مسلمان کے لئے حق تعالیٰ جل شانہ نے مخصوص فرمادی ہے۔

فرائض عبودیت انسان دو چیزوں سے مرکب ہے، جسم اور روح، ان دونوں کے فرائض کی بجاآوری کا نام عبودیت ہے۔

جسمانی ضروریات سے چشم پوشی کر کے محض روحانی ضروریات کی تکمیل کرنا یا روحانی ضروریات کو پس پشت ڈال کر محض جسمانی ضروریات کی تحصیل میں مشغول ہونا گویا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، جس طرح جسم بغیر روح کے مردہ ہے اسی طرح ظاہری فرائض کی ادائیگی بغیر روحانی فرائض کی بجاآوری کے بے سود ہے، مسلمان صرف اس لئے برباد ہو رہے ہیں کہ ان میں دو گروہ ہو گئے، ایک گروہ صرف ظاہری امور کا گرویدہ ہے دوسرا

گروہ صرف باطنی احوال کا دل گرفتہ۔

حالانکہ مسلمان پورا مسلمان اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ ظاہر و باطن دونوں کو فرائض کی صحیح انجام دہی کے قابل بنائے۔

مسلمان کو جہاں ایک مردِ صالح، عابدِ شب زندہ دار، اور عارف حق ہونا ضروری ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بالکل ضروری ہے کہ وہ ایک بہادر سپاہی دنیاوی اور تمدنی ترقیوں کی رفعتوں پر فائز، اور ایک کاروباری آدمی ہو۔ جس جس طرح فرائض عبودیت میں کوتاہی ہوگی اسی طرح حصول کمالات سے محرومی ہوگی اس لئے فرائض عبودیت کی بجاآوری ہی تکمیلِ مجاہدہ کی ضامن ہے۔

کاہل و ناکارہ فقیروں نے اپنی مفت خوری کے عیب کو چھپانے کے لئے دنیا اور کاروبار دنیا کو نہایت مکروہ قرار دیا ہے اور اپنے متبعین کو بھی خیرات خور اور بھک منگا بنانے کی سعی کی ہے، اگر درحقیقت دنیاوی کاروبار ایسے ہی راہِ حق میں حارج ہوتے جیسا کہ یہ مکار بیان کرتے ہیں تو صحابۂ کرام اور اولیاء اللہ سب ہی لنگوٹ بند قلندر اور گلیم پوش صوفی ہوتے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کسب معاش کرتے تھے اور اپنے امتیوں کو کسب معاش کے جائز وسائل کی ہدایت فرماتے تھے چنانچہ انبیا و اولیا میں

سے کسی کا بھی غرقی پوش تارک الدنیا ہونا ثابت نہیں۔

صوفیہ کی غلط تعلیمات سے عوام الناس کے احساسات مُردہ ہوگئے ہیں، توکل وقناعت کے غلط مفہوم نے مسلمانوں کو ترقی دنیاوی سے محروم کردیا ہے۔

آج سب سے بڑا ولی وہ سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ ننگ دھڑنگ ہو، سب سے زیادہ کفر بکتا ہو، سب سے زیادہ بے غیرت اور بے حس ہو۔ جس قوم کے روحانی پیشوا اِس نشان کے ہوں اُس کی ذلّت کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔

ایک چھوٹی سی جماعت جو پہاڑوں اور گھاٹیوں کے درمیان گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی اور فقر و فاقہ میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ایسی بیدار ہوئی کہ ۸۰ برس کی قلیل مدت میں اُس عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہوگئی جس سے دنیا کی اقوام ہمسری کا دعویٰ نہ کرسکتی تھیں، وہی قوم آج کاہل و ناکارہ اور خودغرض ہادیوں کی مفت خوری اور آرام طلبی کی بدولت ذلّت و اوبار کی ایسی پستی میں پڑی ہے کہ کوئی ذلیل سے ذلیل قوم بھی برابری نہیں کرسکتی۔

فرائض عبودیت کی صحیح بجا آوری کے بغیر تزکیہ نفس کی تکمیل نہیں ہوتی اسلئے ہم نے اپنے متوسلین کے لئے جو اصول مرتب کئے ہیں انھیں مختصراً بیان

کرتے ہیں :- (تفصیل ہماری کتاب "تعلیمات اسلام" میں دیکھو)
(۱) عقائد کی تصحیح کر کے شرک خفی و جلی سے اعتقادات کو پاک کرنا۔
(۲) عبادات جسمانی و روحانی صحیح اور مسنون طریقہ سے بکمال مستعدی ادا کرنا۔
(۳) اخلاق کی درستی کر کے "تخلقوا باخلاق اللہ" کا صحیح نمونہ بننا۔
(۴) معاملات کی صفائی کامل احتیاط کے ساتھ ہونا۔
(۵) فرقہ بندی سے احتراز کر کے ہر مسلمان کا احترام کرنا خواہ کسی گروہ سے اس کا تعلق ہو۔
(۶) روزی کے لئے جائز وسائل اختیار کرنا اور سرگرم کوشش سے حلال روزی مہیا کرنا۔
(۷) رسم و رواج کی پابندی ترک کر کے اسلامی طور و طریق کا پیرو ہونا، سپاہیانہ اور مردانہ طرز عمل اختیار کرنا۔ اور خوش باش زندگی بسر کرنا۔
اپنی آمدنی کو خواہ وہ کتنی ہی ہو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے، سب سے پہلے ایک حصہ ان مستحق مساکین کو دیا جائے جو درحقیقت معذور ہیں اور سخت احتیاج مند ہیں۔

دوسرا حصہ جمع کرنا چاہیئے بغیر کسی اشد ترین ضرورت کے اس میں سے ہرگز خرچ نہ کیا جائے اور تین حصوں میں اپنی ذاتی و خانگی ضروریات پوری کی جائیں، اگر یہ تین حصے ضروریات کے لئے ناکافی ہوں تو جس طرح بھی ممکن ہو اپنی ضروریات کو محدود کرنا چاہیئے اور کسی طرح بھی اس تنظیم کے خلاف عمل نہ ہونا چاہیئے۔

وہ پانچواں حصہ جو جمع ہوتا رہے اس میں سے ہر سال بقاعدۂ شرعی زکوٰۃ نکالتے رہنا چاہیئے اور تقسیم زکوٰۃ میں احکام شرعی کے مطابق صحیح عمل ہونا چاہیئے۔ اس تنظیم سے صبر و قناعت کی عادت راسخ ہو جائے گی، ایثار و خلوص کا مل ہو جائے گا، اور مقام رضا و تسلیم حاصل ہو گا، یہ سب مراتب عبودیت اس تنظیم پر عمل کرنے سے جلد مکمل ہو جائیں گے۔

اگر تم نے عقائد کی تصحیح کے بعد اپنے اخلاق کی درستی کر لی اور معاملات میں صفائی پیدا کر لی تو گویا تم نے اتقا کا مرتبہ حاصل کر لیا پھر تم نے عبادات کی بجاآوری اور معمولات طریقہ کی سرگرم پیروی میں کوتاہی نہ کی اور نہایت محنت و مستعدی سے روزی کے جائز وسائل میں لگ گئے تو یقین رکھو ہر طرح کی سعادت و فلاح سے بہرہ اندوز ہو کر جہاں تک تم میں استعداد و اہلیت ہو گی رفعت حاصل کر سکو گے

اور ہر طرح کی شادمانیوں اور کامرانیوں سے سرفراز ہو کر طمانیت قلبی کی نعمت اور قرب ربّانی کی دولت سے مشرف ہو جاؤ گے۔

معمولاتِ طریقہ

طریقت میں بطور دوام و استمرار کے تین چیزوں کا استعمال ہوتا ہے، ایک ذکر، دوسرے فکر، تیسرے مراقبہ،

واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخیفة ودون الجهر من القول بالغدو والاصال ولاتکن من الغافلین۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریف میں وجوبًا بطور دوام و استمرار کے ان تینوں باتوں کے لئے حکم فرمایا ہے وجوبًا اس معنی کہ اُذکر صیغہ امر کا ہے جو بطور حقیقت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے دوام اور استمرار اس معنی کہ غدو اور آصال یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے متقابل ہیں اور جہاں دو لفظ متقابل ہوتے ہیں وہاں استیعاب انکے جمیع افراد کا مقصود ہوتا ہے، جیسے "رب المشرقین ورب المغربین" پروردگار مشرقین و مغربین کا یعنے سارے جہان کا اسی طرح غدو اور آصال صبح و شام یعنے روز و شب چنانچہ

ولاتکن من الغافلین اس کی تاکید ہے۔

"ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار لاٰیات لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض"۔ یذکرون اللہ صراحتِ ذکر پر دلالت کرتا ہے، یتفکرون فکر پر دال ہے، اور زمین و آسمان کی پیدائش میں جو حکمت بالغہ و اسرار غامضہ ہیں اُن میں غور و انہماک یہ مدلول مراقبہ کا ہے۔ طریقت میں یہی تین امور معمول و مختار ہیں، اب ہم ان کو علحدہ علحدہ بیان کرتے ہیں۔

ذکر ذکر کی دو قسم ہیں ایک ذکر قلبی دوسرا ذکر لسانی، ذکر قلبی کے لئے اسم اور ذکر لسانی کے لئے کلمہ مخصوص ہیں، پہلے ذکر قلبی کو بیان کرتے ہیں:۔

"الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر ہی سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں، اس آیت شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر ہی سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔

ذکر قلبی کیا چیز ہے اور کس طرح کیا جاتا ہے؟ حق تعالیٰ فرماتا ہے "اذکروا اللہ کما علمکم" اللہ کا ذکر اس طرح کرو جیسی کہ تم کو اللہ نے تعلیم کی ہے۔ اللہ نے ہم کو کیا تعلیم کی ہے جس کے بموجب ذکر کریں؟ اللہ سبحانہ تعالیٰ

فرماتا ہے "فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا" اللہ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی شدید تر۔

اس آیت شریف سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کا ذکر بیحد محبت اور نہایت عظمت کے ساتھ کرنا چاہیئے۔

ذکر قلبی کا طریقہ کیا ہے اور کس طرح قلب سے ذکر کیا جاتا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے "اذکروا اللہ کما ھداکم" اللہ کا ذکر اس طرح کرو جیسی کہ تم کو اللہ نے ہدایت کی ہے،

اللہ نے ذکر قلبی کے طریقہ کی ہم کو کیا ہدایت فرمائی ہے؟ اللہ جل شانہ فرماتا ہے "واذکر اسم ربك وتبتل الیہ تبتیلا" اسم اللہ کا ذکر کرو اور اس کے ساتھ جٹ جاؤ جو جٹنے کا حق ہے۔

جٹنا کیا چیز ہے اور یہ کس طرح ہوتا ہے؟ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" جٹنا اس حالت کا نام ہے جس میں اللہ کا ذکر کرتے وقت دنیاوی کاروبار حارج نہیں ہو سکتے یعنے کاروبار بھی جاری رہتے ہیں اور ذکر اسم اللہ بھی قلب میں جاری رہتا ہے، جو لوگ دنیاوی کاروبار نہیں کرتے محض خیرات کی روٹیاں کھا کر ذکر کرتے ہیں انھیں

تبتل حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان ہیں یعنے وابتغوامن فضل اللہ کے منکر ہیں۔

ان آیات شریفہ میں ذکر قلبی اور پاس انفاس کی تعلیم وہدایت فرمائی گئی ہے۔

ذکر قلبی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام میں سے جن اصحاب کو طریقت کی تعلیم فرمائی اُن سے برابر سنداً ذکر قلبی و پاس انفاس کا طریقہ آج تک سینہ بسینہ چلا آرہا ہے، ان چیزوں کی عملی تعلیم باخدا لوگوں کی صحبت اور اولیا اللہ کی خدمت سے حاصل ہوتی ہے، تحریر و تقریر سے جہاں تک ہوسکتا ہے بیان کیا جاتا ہے۔

بعد نماز تہجد بطریق مخصوص دوزانو بیٹھکر لب و دندان و چشم بند کریں، زبان بموجب قاعدۂ مخصوصہ تالو سے لگائیں سانس کو اس طرح کھینچیں جیسے کوئی چیز سونگھتے ہیں، پھر اسم اللّٰہ کو دل میں بمدد دراز پڑھیں مانند خطرۂ وارده، اور چشم باطن سے اسم اللّٰہ کو اس طرح دیکھیں کہ دل کی فضا میں لکھا ہوا ہے۔ سانس کو اتنی دیر روکیں جس سے کوئی حبس یا تنگی نہ پیدا ہو، جب سانس بے تکلف نہ رُک سکے آہستہ آہستہ چھوڑ دیں پھر اسی طرح کھینچکر اسم اللّٰہ کو مانند خطرۂ وارده دل میں بمدد دراز پڑھیں فجر کی نماز تک ذکر قلبی میں مشغول رہنا چاہیئے۔ زبان کو

بالکل حرکت نہ ہو۔ محض کتاب میں پڑھکر مرشد سے عملی تعلیم حاصل کئے بغیر مشغول ہونا خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ نشست کا صحیح طریقہ، زبان کو تالو سے لگانے کا مخصوص قاعدہ، دل میں پڑھنے کی ترکیب اور چشم باطن سے اسم کا معائنہ کرنا کوئی سمجھ نہیں سکتا جب تک کہ سیکھا نہ جائے۔

جب مسنون اور صحیح طریقہ سے ذکر قلبی کیا جاتا ہے اطمینان قلب میسر ہوتا ہے مکروہات دنیاوی سے خود بخود متنفر ہونے لگتا ہے اور قلب انوار معرفت سے پُرنور ہو جاتا ہے، ہر طرح کے وساوس و خطرات نابود ہو جاتے ہیں۔ اور چند ہی روز میں کشود باطن شروع ہو جاتا ہے۔ ذاکر کے لئے ضروری ہے کہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب ایک ایک تسبیح اس کلمہ کی پڑھے:۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

ایمان والو! اسم اللہ کا ذکر قلبی بہت کیا کرو اور صبح و شام یعنے بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب تسبیح بھی پڑھا کرو۔" یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃً واصیلاً"

پاس انفاس " فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللّٰہ قیامًا وقعودًا

وعلیٰ جنوبکم"

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر کرتے رہو کھڑے بیٹھے اور لیٹے یعنے ہر وقت اور ہر حال میں حتےکہ حالتِ نسیان اور بے خبری یعنے نیند میں بھی۔

"واذکر ربك اذا نسیت" اس کی صورت سوائے اسکے ہے نہیں کہ پاس انفاس ایسا جاری ہو جائے کہ سوتے جاگتے اور غفلت میں بھی جاری رہے

"واذکر ربك فی نفسك تضرعًا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین"

دن رات اللہ کا ذکر اپنے نفس میں کرتے رہو چپکے چپکے، تضرع کے ساتھ، پکار کے نہیں، یعنے زبان سے الفاظ کے ساتھ نہیں، بلکہ دل میں سانس کی آمد و رفت کے ساتھ کیونکہ اس طرح سانس کے ساتھ ذکر قلبی کرنے سے تمھاری ظاہری اور باطنی غفلت دور ہو گی اور تم بیدار دل ہو جاؤ گے۔

پاس انفاس کا طریقہ یہ ہے کہ جو سانس اندر داخل ہو اس میں اسم اللہ بغیر زبان کی حرکت کے دل سے پڑھا جائے اور جو سانس باہر نکلے اُس میں ھُو۔ اسی طرح ہر سانس دِل کے ساتھ اللہ پڑھتی ہوئی اندر داخل ہو اور ھُو کہتی ہوئی باہر نکلے، چند روز کوشش کرنے سے اگر طلب صادق ہے اور توفیق ربّانی شامل

حال ہے تو ذکر قلبی جاری ہو کر پاس انفاس قائم ہو جائے گا۔

ذکر لسانی ذکر لسانی کے لئے کلمۂ طیبہ مخصوص ہے :- الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلها ثابت و فرعها فی السماء تؤتی اکلها کل حین باذن ربها ویضرب الامثال للناس لعلهم یتذکرون۔

کیا تم نے غور نہیں کیا اللہ جل شانہ نے کلمۂ طیبہ کی کیسی مثال دی کہ کلمۂ طیبہ ایک پاک درخت کی مانند ہے اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُس کی شاخیں آسمان میں ہیں حکم الٰہی سے ہر وقت پھل لاتا ہے۔ اللہ جل شانہ لوگوں کے لئے مثال بیان فرماتا ہے تا کہ لوگ ذکر کلمہ طیبہ کیا کریں۔

ذکر لسانی کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل وقت عشاء کی نماز پڑھ کر اُسی نشست پر دو زانو بیٹھے جو ذکر قلبی کے لئے مخصوص ہے، پہلے چند بار درود شریف پڑھے پھر ہمہ تن متوجہ ہو کر کامل یکسوئی کے ساتھ ذکر کلمہ طیبہ اس طرح شروع کرے کہ حرف لا الٰہ کو بمد دراز قدرے بلند آواز سے کہکر ذرا توقف کرے اور اس وقفہ میں معنی کا خیال کرے اس کے بعد بقوت تمام الا اللہ کی ضرب دل پر اس طرح لگائے کہ جسم کو اور سر کو ذرا حرکت نہ ہو صرف تصوّر میں دل پر ضرب کرے، دس بار دمادم ضرب کرنا چاہیئے جب دس بار الا اللہ کی ضرب دمادم کر چکے تو نہایت خوش الحانی سے

ہر ہر حرف کو صاف ادا کرتے ہوئے ملاحظۂ معانی کے ساتھ یہ پڑھے :۔
"وحدہٗ لاشریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد یحی ویمیت وھوحی لایموت ابداً ابداً ذوالجلال والاکرام بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شئ قدیر"
پھر اسی طرح لا الٰہ کہکر معنی کے خیال سے توقف کرے اور الا اللہ کی مسلسل دس ضرب دل پر لگائے اور نہایت محویت کے ساتھ بڑی ہی عظمت کو ملحوظ رکھ کر کلمہ پورا پڑھے، اسی طرح سو بار روزانہ کم سے کم ضرور ذکر کرے۔ بعد ذکر کے پھر چند بار درود شریف پڑھے اور سو جائے۔

ذکر لسانی اُس وقت تک کرتے رہنا چاہیے جب تک ذکر قلبی جاری ہو کر پاس انفاس قائم نہ ہو جائے جب کسی مرشد برحق سے حاصل کرکے صحیح اور مسنون طریقہ پر ذکر کیا جاتا ہے تو چھ سات ہفتہ میں ہی کشود باطن ہونے لگتا ہے جو غیر مسنون طریقوں سے سالہا سال میں بھی ممکن نہیں۔

وسواس شیطانی | جو لوگ ذکر غیر مسنون طریقوں پر کرتے ہیں جیسا کہ عام طور سے اہل تصوف کے فرقوں میں مروج ہیں تو اُن پر ایک شیطان مسلط ہو جاتا ہے جو اُن کے ساتھ رہتا ہے اور ہر وقت خصوصاً ذکر کے وقت طرح طرح کے وساوس پیدا کرتا ہے اور قسم قسم کے خطرات وارد کرتا ہے، ان پیروان تصوف نے ان خطرات کو

ہواجس اور وساوس کے نام سے موسوم کیا ہے اور پھر ان کی بھی بہت قسمیں ہیں جن کے علاج بھی خود ساختہ مقرر کئے ہیں ساری عمریں اِن لوگوں کی انھی اصطلاحوں کی الٹ پھیر اور خود ساختہ علاجوں پر عمل کرنے میں گذر جاتی ہیں اور جیسے روزِ اوّل تھے ویسے ہی روزِ آخر یا اُس سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں یا بعض کو شیطانی الہامات اور شیطانی تجلیات ہونے لگتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو منزلِ مقصود پر پہنچا ہوا گمان کرنے لگتے ہیں حالانکہ منزل کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

جس طریقہ سے ذکر کرنے کی ہدایت حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمائی اور جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر اہلِ حق میں منتقل ہو رہی ہے اس میں تو کہیں ہواجس اور وساوس کا شائبہ تک نہیں، ذکر اور حدیثِ نفس سے کیا تعلق یا ذکر میں خواطر کا ورود کیسا؟

حدیثِ نفس یا خواطر یا ہواجس و وساوس وہیں پیدا ہوتے ہیں جہاں ذکر غیر مسنون طریقوں سے کیا جائے کیونکہ شیطان ساتھ رہتا ہے جیسا کہ اِس آیۃ شریفہ میں اشارہ ہے " ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین " اس آیۃ شریف کے یہ معنی لینا کہ جو لوگ ذکر نہیں کرتے اُن پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے صحیح نہیں وہ تو پہلے ہی سے شیطان کی جھپٹ میں ہیں

جب ہی تو ذکر نہیں کرتے ، اس آیتہ شریف میں درحقیقت اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر سے جیسا کہ ہدایت کی گئی ہے ہٹ کر کسی دوسرے خود ساختہ طریقہ سے ذکر کرتے ہیں اُن کے واسطے ایک شیطان ہے جو اُن کے ساتھ رہتا ہے اور وسواس وخطرات پیدا کرتا ہے چنانچہ ثابت ہے کہ شیطانی وسواس جس قدر ان صوفیانہ اذکار واشغال میں پیدا ہوتے ہیں اس کا ہزارواں حصّہ بھی اُن لوگوں میں پیدا نہیں ہوتے جو ذکر نہیں کرتے ، اگر یہ آیت شریف ذکر نہ کرنے والوں کے متعلق ہوتی تو ان صوفیوں میں ذکر کے وقت وسواس شیطانی کا پیدا ہونا کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ ذکر کا تو اثر ہی یہ ہے کہ اگر صحیح اور مسنون طریقہ سے کیا جائے تو شیطان دور بھاگتا ہے ۔

جو لوگ ذکر نہیں کرتے اُن کے لئے ان آیات میں تنبیہہ فرمائی گئی ہے :۔

" ومن يعرض عن ذكر ربه يسلكه عذاباً صعداً " جو شخص اللہ کے ذکر سے روگردانی کرے گا وہ سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا " من اعرض عن ذكری فان له معيشة ضنكا ونحشره يوم القيامة اعمٰى " جس نے ذکر سے اعراض کیا اُس کی زندگی ضیق میں گذریگی اور قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھایا جائے گا ، اور مرنے کے بعد سے روزِ حشر تک سخت عذاب میں گرفتار رہے گا ۔ جیسا کہ پہلی آیت شریف میں

ارشاد ہوا۔

حق سبحانہ تعالیٰ ذاکرین کو حکم دیتا ہے اُن لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرو جو ہمارے ذکر سے روگرداں ہیں اور محض دنیاوی زندگی سے ہی غرض رکھتے ہیں۔ "فاعرض عمن تولیٰ عن ذکرنا ولم یرد الا الحیوۃ الدنیا"، اور ارشاد ہوتا ہے افسوس ہے اُن لوگوں کی قساوتِ قلبی پر جو اللہ جل شانہ کے ذکر سے غافل ہیں "فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ"

اہل حق کو یقین رکھنا چاہیئے کہ صحیح اور مسنون طریقہ سے جیسا کہ حق تعالیٰ نے تعلیم و ہدایت فرمائی ہے ذکر کرنے سے کبھی وساوس و خطرات پیدا نہیں ہوتے سچے ذاکرین کو کبھی حدیثِ نفس یا اور دوسری بیماریاں لاحق نہیں ہوتیں جو صوفیا کے اذکار و اشغال سے متعلق ہیں۔

فکر فکر سے دماغ کے دریچے کھل جاتے ہیں اور بابِ مشاہدہ وا ہوتا ہے، ذکر کے ساتھ فکر کی ہدایت بھی فرمائی گئی ہے اسی لئے طریقت میں فکر ایک بڑا قوی رُکن ہے۔

فکر سے جو پہلی حقیقت آشکارا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک خاص تنظیم و ترتیب سے منسلک ہے اور تمام مخلوقات میں ایک خاص نظام

وقانون ہے جو حکمت و مصلحت سے معمور ہے۔

کائنات میں ایسے مکمل نظام کا موجود ہونا جو کسی طرح بھی غیر مرتب نہیں ہے وجدانی طور پر یقین دلاتا ہے کہ ایک وحدہٗ لاشریک ہستی، ایک بے ہمتا ذات کے بغیر یہ بے عیب کارخانہ وجود میں نہیں آسکتا، وہ ذات ہر طرح کے نقص وزوال سے پاک و منزہ ہے اور تمام اُن صفات سے متصف ہے جو اُس کے شایانِ شان ہیں۔

یہ بات انسان کے وجدانی احساس کے خلاف ہے کہ وہ نظام کائنات میں فکر کرے اور ایک وحدہٗ لاشریک ذات کا یقین اس کے اندر نہ پیدا ہو۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں ہماری فکر کے لئے بہت سے راستے اور طریقے تعلیم فرمائے ہیں، چنانچہ ہمارے ضمیر کو مخاطب کرکے وجدانی احساس کی گہرائیوں سے جواب طلب فرمایا ہے :-

"وہ کون ہے جو یہ تمام کائنات قدرت اور کارخانۂ خلقت اس نظم ونگرانی کے ساتھ چلا رہا ہے ؟

وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور جس نے پانی برسایا پھر خوشنما و دلفریب باغ اُگا دئے، حالانکہ تمھارے بس کی یہ بات نہ تھی ؟

وہ کون ہے جس نے زمین میں دریا جاری کردئے اور پہاڑ بلند کئے ؟

وہ کون ہے جو بیقرار دلوں کی پکار سنتا ہے جب وہ اُسے پکارتے ہیں ؟

وہ کون ہے جو جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں تمھاری رہنمائی کرتا ہے؟

وہ کون ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلادیتا ہے؟

وہ کون ہے جو تمھیں روزی دے رہا ہے ؟

کیا تم نے یہ بھی سوچا کہ یہ پانی جس پر تمھاری زندگانی کا دار ومدار ہے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اُسے تلخ کردیں ، پھر کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ تم ہمارے اِس احسان کا شکر ادا کرتے رہو ؟

اے لوگو! اللہ نے اپنی جن جن نعمتوں سے تمھیں فیضیاب کیا ہے اُن میں فکر کرو اور سوچو کہ کیا اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا بھی کوئی دوسرا ہے جو تمھیں ایسی ایسی نعمتیں عطا فرما رہا ہے جن کو تم شمار بھی نہیں کرسکتے ، نہیں نہیں کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی ایک ذات ۔

یقیناً یہ اللہ ہی کی قدرت ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو شق کرتا ہے اور اُس سے ہر چیز کا درخت پیدا کرتا ہے ، وہ زندہ کو مردہ چیز سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے ، بے شک وہی تمھارا پروردگار ہے ، سوچو! وہی پردۂ شب چاک

کر کے صبح کی روشنی نمودار کرتا ہے وُہی ہے جس نے رات کو راحت وسکون کا ذریعہ بنا دیا ہے، اور وہی ہے کہ اُس نے سورج اور چاند کی گردش ایسی درستگی کے ساتھ قائم کردی کہ حساب کا معیار بن گئی ہے، اور یہ بھی اُسی کی کارسازی ہے کہ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں تم ستاروں سے راہ پاتے ہو۔ کیا یہ کائناتِ ہستی بیکار و عبث ہے اور کیا تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں ؟

اللہ ایک ہے اُس کے سوا کوئی دوسرا نہیں، اُسی کی ایک ذات ہے جو اپنی رحمت کی بخشائشوں سے فیضیاب کرتی ہے، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات دن کے اختلاف میں، اور کشتی میں جو تمہاری کاربراریوں کے لئے دریا میں چلتی ہے ، اور بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور اُس سے زمین مرنے کے بعد جی اٹھتی ہے ، اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین میں منتشر کر رکھے ہیں، اور ہواؤں کے چلنے میں ، اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان اللہ کے حکم سے رُکے ہوئے ہیں، سوچنے والوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں۔

عنقریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود اُن کے نفس میں دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن کو منکشف ہو جائے گا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی حق ہے ۔

کیا تمہاری تسلی کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا معبود ہر چیز کا شاہد حال ہے ؟"

مذکورۂ بالا ہدایاتِ ربانی سے معلوم ہوا کہ فکر طالب حق کے لئے اشد ضروری ہے طریقت میں فکر فی الآفاق کو اصطلاحاً فکر کہتے ہیں اور فکر فی الانفس کو مراقبہ، فکر سے آیات اللہ مشاہدہ ہوتی ہیں اور مراقبہ سے کشفِ حقیقت ہوتا ہے۔

فکر دو طرح ہوتی ہے، ایک ظاہری دوسری باطنی، تمام علوم و فنون تمام ایجادات واختراعات تمام تحقیقاتِ قدیمہ و جدیدہ اور تمام نئی پرانی دریافتیں سب ظاہری فکر کا نتیجہ ہیں۔

فکر باطنی کے انکشافات عالم آشکارا نہیں ہیں، اہل حق اولیاء اللہ کے ملفوظات میں کچھ اشارات پائے جاتے ہیں، کلام اللہ میں اور احادیث شریفہ میں ہدایات ملتی ہیں جن کے سہارے طالبانِ حق ترقی کرتے ہیں، فکر کر کے دیکھو خود معلوم ہو جائے گا، بیان جس قدر اشارات کا متحمل ہو سکتا ہے اُن کو سمیٹ لیا گیا ہے،

جب ذکر قلبی جاری ہو کر پاس انفاس قائم ہو جاتا ہے تو ذاکر مذکور کا متلاشی ہوتا ہے اور فکر اسم سے مسمّٰی کی جویا ہوتی ہے، اسی جستجو کو مراقبہ کہتے ہیں۔

مراقبہ | جو لوگ ہدایت الٰہی کے بموجب ذکر و فکر کرتے ہیں اُن کے متعلق اللہ جل شانہٗ

ارشاد فرماتا ہے "سنریھم آیٰتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لھم انہ الحق" ہم اپنی نشانیاں اُنھیں دکھائیں گے آفاق میں بھی اور خود اُن کے نفس میں بھی یہانتک کہ اُن کو منکشف ہوجائے گا کہ اللہ ہی حق ہے یعنے ذاتِ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے اسما وصفات کا ہی سب میں ظہور ہے، چنانچہ اس وعدہٗ ربانی کا اس طرح ظہور ہوتا ہے کہ طالب کو پہلے ایک نور عطا فرمایا جاتا ہے جس سے مردہ دلی دور ہوکر زندہ دلی پیدا ہوتی ہے جسے حیات روحانی کہتے ہیں، اِس نور کی روشنی میں قلب ایسا منبسط ہوتا ہے کہ تمام کارخانۂ ہستی مثل ایک نقطہ کے نظر آنے لگتا ہے اور سیرِ آفاق وانفس ہوتی ہے، طالب مشاہدہ کرتا ہے کہ کائنات میں ایک ذرّہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر نورِ ربّانی محیط نہ ہو، وہ ہر ہر ذرّہ میں فیضان الٰہی کو جاری وساری پاتا ہے "اولم یکف بربك انه علیٰ کل شیئ شھید" کیا تمھاری تسلی کے لئے یہ کافی نہیں کہ تمھارا پروردگار ہر چیز کا شاہد حال ہے تعجب ہے اُن لوگوں کی غفلت وبدقسمتی پر جو اپنی دنیاوی دلچسپیوں کے سبب لقار ربانی سے محروم ہیں اور تاریکیوں میں پھنسے ہوئے حیران وسرگردان ہیں اور نہیں دیکھتے کہ انوار ربانی ہر ہر ذرّہ پر چھائے ہوئے ہیں، سنو جی! یہ لوگ تو لقار ربانی ہی سے شبہ میں پڑے ہیں اور نہیں جانتے کہ جن کو نشانیاں آفاق وانفس میں

دکھائی جاتی ہیں اُن پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ فیضان ربانی ہر ہر ذرّہ میں جاری وساری ہے آگاہ رہو کہ حق تعالٰی ہر چیز پر محیط ہے "الا انھم فی مریۃ من لقاء ربھم الا انہ بکل شئ محیط "

طالب کو جب نور عطا فرمایا جاتا ہے تو وہ اُسی نور کی روشنی میں سیر آفاق وانفس کرتا ہے اور سب کام اُسی نور کی روشنی میں کرتا ہے جس طرح ذکر قلبی جاری ہو کر پاس انفاس قائم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ نور بھی مستقیم ہو جاتا ہے چلتے پھرتے جیسے ذکر دم کے ساتھ لگا ہوتا ہے اسی طرح یہ نور ربانی بھی ہر حال میں ساتھ ہوتا ہے "او من کان میتًا فاحیینہ وجعلنا لہٗ نورًا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منہا " بھلا وہ شخص جو مردہ تھا ہم نے اُس کو زندہ کیا اور اُس کو ایک نور عطا کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا اُس جیسا ہو سکتا ہے جو تاریکی میں پڑا ہو جس سے نکل نہیں سکتا ۔

اس نور کی جو ذاکرین کو عطا فرمایا جاتا ہے حق سبحانہ تعالٰی نے بطور مثال کے حقیقت بیان فرمائی ہے :-

"جن لوگوں کو کاروبار دنیاوی یعنی بیع و تجارت وغیرہ ذکر اسم اللہ سے غافل نہیں کرتے گویا ہر حال میں اُن کا ذکر قلبی جاری ہے اور جو نماز و زکوٰۃ اور

اوامر ونواہی کے پابند ہیں اور اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس دن کہ دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی، تاکہ حق تعالیٰ اُن کو اُن کے اعمال کا بہترین اجر دے اور اپنے فضل سے اس سے بھی زیادہ اجر دے کیونکہ وہ جسے چاہتا ہے بے حساب عطا فرماتا ہے، ایسے لوگ اُس گھر میں جس کا حق تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے اسم اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور اُسی گھر میں صبح وشام تسبیح کرتے رہتے ہیں وہ گھر دل کے سوا اور کہاں ہے جس میں ہر آن ذکر اسم اللہ کرنا مامور ہوا ہے اس گھر میں ایک شمع شیشہ کی قندیل میں طاق پر رکھی ہے وہ شیشہ گویا چمکتا ہوا ستارہ ہے زیتون کے شجرِ مبارک کے تیل سے وہ روشن کیا جاتا ہے ایسی تیز روشنی ہوتی ہے کہ شیشہ اور تیل سبھی روشن دکھائی دیتا ہے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی ہے کہ اُس کا تیل جل اُٹھے اگرچہ اُسے آگ نے چھوا تک نہیں مگر وہ روشنی پر روشنی ہے ہر کوئی اُسے نہیں دیکھتا مگر اللہ جل شانہٗ جسے اپنے کرم سے دکھا دے اور جسے چاہے اپنے فضل سے اُس نور کی طرف ہدایت کرے، اللہ جل مجدہٗ اُس نور کی حقیقت کو چراغ کی مثال دے کر لوگوں کو بتاتا ہے کیونکہ جس نے اُس نور کو دیکھا نہیں وہ بغیر مثال کے کیسے سمجھ سکتا ہے؛ اللہ ہی ہر شے کا کماحقہ دانائے حال ہے۔"

اللہ جل مجدہٗ نے اپنے اُس نور کی جو ذاکرین کو عطا فرماتا ہے مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ ایک چراغ کی مانند ہے جو فانوس میں روشن ہے اور فانوس طاق میں رکھا ہے ستارہ کی طرح چمکتا ہے اُس کے اندر ایسا تیل جلتا ہے جو کسی بیرونی آگ سے روشن ہونے کے بغیر جل اُٹھنے کے قابل ہے وہ ایسے مبارک درخت کا تیل ہے جو مشرق یا مغرب سے تعلق نہیں رکھتا اپنی نورانیت اور اپنی وسعت و ہمہ گیری کے سبب کیونکہ تمام کائنات اور کائنات کا ہر ہر ذرّہ اللہ کے نور سے روشن ہے گویا ہر چیز میں اسمار و صفات کا ظہور ہے۔ "اللہ نور السمٰوٰت والارض"

جب ذاکرین کو نور عطا فرما دیا جاتا ہے تو اسمارِ حسنیٰ کی تجلی ہونے لگتی ہے ایک ایک اسم متجلی ہوتا ہے اسمار کی تجلی کے بعد عالم ملکوت منکشف ہوتا ہے اور تجلیاتِ صفات سے مشرف کئے جاتے ہیں، پہلی تجلی بصورتِ ستارہ ہوتی ہے پھر بصورتِ ماہتاب پھر بصورتِ آفتاب اس کے بعد انوار رنگا رنگ اور نت نئی تجلیاں، ہر رہرو کے ساتھ یہی معاملے پیش آتے ہیں اور ہر طالب کو بقدر حوصلہ و ظرف نوازا جاتا ہے۔

عالم ملکوت | "اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت والارض" ملکوت وہ عالمِ مکاشفہ ہے جس میں آسمانوں اور زمین کی حقیقتِ نفس الامری منکشف

ہوتی ہے ، اِس عالم کو اولیاء اللہ چشم باطن سے دیکھتے ہیں اور اِس آیت پاک کا حقیقی مشاہدہ ہوتا ہے :۔

" الم تران اللہ یسجد لہ من فی السمٰوات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدوآب وکثیر من الناس "

کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور زمین پر چلنے والے اور انسانوں میں سے بہت۔

کثیر من الناس اولیاء اللہ ہیں جو ہر دم اپنا سر بسجدہ ہونا نظر کشفی میں مشاہدہ کرتے ہیں اہلِ باطن عالم ملکوت کو اس طرح دل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں جیسے اِن ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ، پہلے ملکوت الارض منکشف ہوتا ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ اشجار وجبال اور انسان وحیوان اُلٹے لٹک رہے ہیں تمام متحرک اشیاء ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے چیونٹیاں وغیرہ مکان کی چھت پر رینگتی ہوئی نظر آتی ہیں ، اور بے شمار عجائبات ملکوت الارض مکشوف ہوتے ہیں ، پھر ملکوت السمٰوات کا انکشاف ہوتا ہے نجوم سر بسجدہ مثل کرۂ ارض نظر آتے ہیں ، مراتب الہیات کی آیات جو باقیات اور عالمِ آخرت میں داخل ہیں مکشوف

ہوتی ہیں۔ان مکاشفات سے وہ حقیقتیں مشاہدہ ہوتی ہیں جن پر ایمان وایقان کی بنیاد ہے،

اشارات

عماء حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ خلق کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا، آپ نے فرمایا "فی عماءٍ" یعنے عماء میں تھا۔

عماء اُن حقیقتوں میں سے جو حقیقت اور خلقیت کے ساتھ موصوف نہیں ہیں، ایک حقیقت کا نام ہے گویا وہ ایک ذاتِ محض ہے جو کسی مرتبہ حقیہ وخلقیہ کی طرف منسوب نہیں ہے اور اسی لئے کسی اسم یا وصف کی مقتضی نہیں، عماء نفسِ ذات ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ خلق کے پیدا کرنے سے پہلے عماء میں تھا اور خلق کے پیدا کرنے کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلے تھا یعنے عماء میں۔

عماء کا ادراک محال ہے۔عقول اس میں متحیر ہیں، کوئی مفہوم ایسا نہیں ہے جو اُس کو مصوّر کرے نہ کوئی معقول ایسا ہے جو اُس کو متشکّل کر سکے۔

اسماء وصفات حق سبحانہ تعالیٰ کی معرفت اُس کے اسماء وصفات کے بغیر

ممکن نہیں ہے کیونکہ ذاتِ بیچوں کسی عبارت کے مفہوم سے ادراک نہیں کی جا سکتی اور کسی اشارہ کے معلوم سے سمجھ میں نہیں آسکتی، عقول و فہوم کے ادراک سے وہ بلند و بالا ہے اس میں فکریں اپنا کام نہیں کر سکتیں، نیا اور پُرانا علم اُس کی کُنہ کو دریافت نہیں کر سکتا۔

جمال اللہ تعالیٰ کے جمال سے اُس کے اسماءِ حُسنےٰ اور اوصافِ علیا مراد ہیں، جمال کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم معنوی اور وہ اسماءِ حُسنےٰ و اوصافِ علیا کے معانی ہیں، دوسری قسم صوری اور وہ اسماءِ حُسنےٰ و اوصافِ عُلیا کے آثار و مظاہر ہیں۔ پہلی قسم شہودِ حق کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری قسم تمام موجودات ہیں۔

الوہیت نورِ وجود کی حقیقتیں اور اُن کے مراتب کا نام "الوہیت" ہے۔ وجود صفت اوّل ہے اور مراتبِ صفات میں سب سے برتر، ذات کے مظاہر میں سب سے برتر الوہیت کا مظہر ہے اس لئے کہ وہ ہر مظہر میں شامل ہے اور احاطہ کئے ہوئے ہے، اسی الوہیت کے بھید کی طرف حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔

"میں کُل موجودات کو حق تعالیٰ کی وجہ سے پہچانتا ہوں اور جنابِ الٰہی کی وجہ سے جانتا ہوں۔"

عرش وکرسی عرش وکرسی سارے عالموں اور تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے، حق سبحانہ تعالیٰ عرش پر اس طرح جلوہ افروز ہے کہ عرش اُسے تھامے ہوئے نہیں بلکہ وہ خود عرش کو اپنی قدرت سے تھامے ہوئے ہے، نہ عرش اُس کو چھو سکتا ہے نہ اُٹھا سکتا ہے، وہ جوہر کی طرح کسی چیز کے ساتھ قائم نہیں جس کے لئے مکان کا اندازہ ہو، نہ وہ عرض ہے نہ جسم ہے، وہ جہات و حد سے پاک ہے، عرش بے شک اُس کا تخت ہے لیکن وہ عرش پر محدود نہیں، وہ مطلق غیر مقید بذاتِ خود محدود ہے، نور اُس کی صفت ہے اور سارے عالم اور تمام کائنات اُس کے نور سے روشن ہے، وہ بذاتِ خود بغیر احتیاج کسی موجد کے موجود ہے بلکہ اُس کے سوا ہر ایک موجود اپنے وجود میں اس کا محتاج ہے، وہ اکیلا اپنے وجود کے ساتھ موصوف ہے۔ استویٰ علی العرش کے یہ معنی ہیں کہ جب صفات ظہور میں آگئیں تو وہ اپنی عظمت و جبروت کے بموجب اس طرح قائم ہو گیا کہ کوئی صفت ایسی نہ رہی جو ظاہر نہ ہو گئی ہو گویا تمام صفات کی پورے طور پر تجلّی ہو گئی اور اُن کی نورانیت تمام کائنات میں پھیل گئی۔

عرش الوہیت کا مظہر ہے اور اسم نور کے مقتضا سے ہے، گویا ایک آسمان ہے جو تمام افلاک معنویہ و صوریہ کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور کرسی سے تمام صفات

افعالیہ کی تجلی مراد ہے۔

عرش کو تخت رب العالمین کہتے ہیں اور کرسی کو احکام جاری ہونے کا محل، کیونکہ آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے، "وسع کرسیہ السمٰوات والارض" اس میں صفاتِ متضادہ کے آثار بالتفصیل ظاہر ہیں۔ عرش و کرسی منجملہ آسمانوں کے نہیں ہیں اگرچہ فلکیت میں داخل ہیں مگر سماوات سے جداگانہ۔

لوح و قلم قلم ایک مجلیِ الہیہ ہے، قلم کی نسبت اِس کے سوا کچھ اور بیان نہیں کیا جا سکتا کہ مظاہرِ خلقیہ میں تعینات سے پہلے متمیز ہونا مراد ہے "والقلم و ما یسطرون" میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ نے چاہا جس چیز کے لئے وہ اس مجلیِ الٰہی نے لوح پر لکھی۔

جو چیز کہ لوح محفوظ میں ہے وہ قیامت تک وجودِ حسّی کے آغاز کا علم ہے، اور جس چیز کو لوح میں لکھا گیا ہے وہ مقدر ہے، جو لوگ اولیاء اللہ میں سے لوحِ محفوظ کو دیکھتے ہیں اُن کا دیکھنا اس طرح نہیں ہے جیسے ہم کسی صفحۂ کاغذ کو دیکھتے ہیں بلکہ وہ اس طرح ہے کہ جب اللہ جل شانہ لوح محفوظ میں کوئی بات انھیں دکھانا چاہتا ہے تو وہی بات ایک نورانی لوح پر بخطِ شعاع لکھی ہوئی روشن ہوتی ہے۔

لوح محفوظ سے نورِ الٰہی حقی مراد ہے جو مشہدِ خلقی میں متجلی ہوتا ہے اور اس میں تمام مقدرات اصلی طور پر منطبع ہو جاتی ہیں۔

سدرۃ المنتہٰے سدرۃ المنتہٰے نہایتِ مکانت کا نام ہے جس سے مخلوق اپنی سیر میں حق تعالٰی کی طرف پہنچتی ہے، سدرۃ المنتہٰے سے اوپر کوئی نہیں پہنچ سکتا کیونکہ مخلوق وہاں نیست و نابود ہو جاتی ہے اور اُس کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا، جبریل علیہ السلام کے قول میں اِسی کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا:-

"اگر میں ایک بالشت بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں"

تجلیات اسماء جب نورِ وجود اپنے اسم اعظم اللہ کے ساتھ متجلی ہوتا ہے تو اس تجلی میں ہر طرح کے انوار بندہ کا احاطہ کر لیتے ہیں، اس تجلی کا طریقہ منحصر نہیں ہے بلکہ اسماء حسنٰے میں سے ہر اسم کی تجلی کی طرف ہے چنانچہ جب اسم رحمٰن متجلی ہوتا ہے تمام موجودات میں رحمت کے آثار سرایت کئے ہوئے پائے جاتے ہیں، اسم رحیم کی تجلی میں اُس اجمال کی تفصیل ہو جاتی ہے جو اسم رحمٰن کی تجلی میں ظاہر ہوا تھا۔

اسماء کی تجلی میں تفصیل بمقابلہ اجمال زیادہ اعز و اعلیٰ ہے اسی لئے رحمٰن

کی تجلی اُس اجمال کی تفصیل ہوتی ہے جو اسم اللہ میں ظاہر ہوئے تھے، اسی طرح اسم رحیم کی تجلی اُس اجمال کی تفصیل ہے جو اسم رحمٰن میں ظاہر ہوئے اور اسم ملک کی تجلی اُس اجمال کی تفصیل ہے جو اسم رحیم میں ظاہر ہوئے وقس علیٰ ھذا البواقی۔

اسم قدوس کی تجلی میں "نفخت فیہ من روحی" کا بھید منکشف ہوتا ہے اور اسم سلام کی تجلی میں اُس اجمال کی تفصیل ہو جاتی ہے جو اسم قدوس کی تجلی میں ظاہر ہوئے تھے،

جب اسم باطن کی تجلی ہوتی ہے بندہ نور میں گم ہو جاتا ہے اور اسم نور کی تجلی ہوتی ہے وہ نور علیٰ نور ہے یہ تجلی بڑی تجلی ہے۔

سب اسماء کے آخر میں اسم قیوم متجلی ہوتا ہے اس تجلی میں تجلیاتِ اسماء کی پوری تفصیل ہو جاتی ہے اور بندہ تجلیاتِ صفات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

ذات بیچوں کا کوئی نام نہیں جس قدر اسماء ہیں یہ سب اسماء صفاتی ہیں اور جس طرح صفات شمار نہیں ہو سکتیں اسی طرح اسماء باری تعالیٰ بھی بے شمار ہیں۔

اسماء حسنیٰ سے وہ اسماء مراد ہیں جن میں نورِ وجود کی تجلی ہوتی ہے اور یہ تعداد میں ۶۷ ہیں، ہم نے اوراد میں اسماء حسنے کو اسی ترتیب سے لکھا ہے

جس ترتیب سے کہ وہ متجلی ہوتے ہیں۔

تجلیات صفات بندے صفات کی تجلیات میں بقدرِ قابلیت و استعداد ہیں کسی پر کوئی صفت متجلی ہوتی ہے کسی پر کوئی وصف تجلی فرماتا ہے یہ تجلیات حوصلہ و ظرف کے مطابق ہوتی ہیں۔

تجلی مرتبۂ ثانی میں ظہورِ شیٔی کو کہتے ہیں اس لئے حقیقتاً تجلیٔ ذات کی لیاقت صرف مرتبۂ رب الارباب ہی کو حاصل ہے اسکے بعد اسکے توسط سے اُسکے انوار دوسرے مراتبِ صفات پر منعکس ہوتے ہیں اس کے بعد صفات کے وسائط سے اسماء پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اسماء کے طفیل سے اُن کے مربوبین پر مشہود و متجلی ہوتے ہیں، اس لئے طالب پر پہلے اسماء کی تجلی ہوتی ہے اس کے بعد صفات کی، اور ذات کی تجلی کی تاب مخلوق کو نہیں۔

بعض ناواقف مراتب الہیات کی آیات کو تجلی ذات گمان کرتے ہیں حالانکہ تجلیٔ ذات کی لیاقت مخلوقات میں کسی کو بھی نہیں ہے حتیٰ کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی تجلّیات صفاتی سے ہی اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق مشرف ہوئے ہیں۔

قرب ربانی قرب بالذات بالکل محال ہے، کوئی مخلوق اس سے متصل نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے قرب سے مراد نزدیکی ہے، علم اور قدرت کے ساتھ حق کا

قرب حاصل ہونا تمام انسانوں کے لئے عام ہے، اور نصرت و لطف کے ساتھ قرب ربانی کا حصول اہل ایمان کے لئے خاص ہے اور خصائص عرفان کے ساتھ قربِ الٰہی کا حاصل کرنا اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے، مراتب و مقاماتِ قرب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

جن خوش قسمتوں کو دولتِ قرب سے سرفراز فرمایا جاتا ہے ان میں پہلے اس نعمتِ لازوال کے حصول کی قابلیت پیدا کی جاتی ہے، اس ذرّہ نوازی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ انوار مثل چمکتی بجلی کے نظر آنا شروع ہوتے ہیں اور قدرت کی کچھ کچھ نشانیاں دکھائی دیتی ہیں، یہ حالتیں گویا ابتدائی منزلیں ہیں جو مبتدیوں کو پیش آتی ہیں، ہمت کے ساتھ ترقی کی کوشش کی جائے اور ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف قدم بڑھاتا رہے یعنے کسی ایک ہی منزل میں گم نہ ہو جائے، جب کسی منزل میں آیات و انوار ہی کا تماشہ دیکھنے میں مشغول ہو جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ آگے کی منزل کی قابلیت نہیں۔ رفتہ رفتہ حقیقت کی نور بار شعاعیں جلوہ فگن ہوتی ہیں اور تجلیاتِ ربانی کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ یہ تجلیات اپنی نوعیتوں میں مختلف ہوتی ہیں اور اُن کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ بیان اس مضمون کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے اشارۃً اس قدر کہا جا سکتا ہے

کہ مثلاً بجلی کا تصور کرو اور پیہم چمکنے کا اندازہ لگاؤ پھر غور کرو کہ جس طرح سخت اندھیری رات لگاتار بجلیوں کی چمک سے دن کی طرح روشن ہوسکتی ہے اور ظلمتِ شب کافور ہو کر اُجالا کائنات میں پھیل سکتا ہے اسی طرح جب انوارِ ربانی کا دوام ہو تو قلب کی تاریکی نابود ہو کر تجلیات محیط ہو جاتی ہیں گویا روزِ وصل اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ پھر شبِ ہجر آتی ہی نہیں۔

جب اس شرف سے طالب مشرف ہوتا ہے کلمہ و کلام اور پیام و سلام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، پیام و سلام منجانب ملائکہ ہوا کرتے ہیں اُن سے قلب میں ایک قسم کی لذت اور ٹھنڈک پیدا ہوا کرتی ہے جس سے ذوق و شوق کی افزونی ہوتی ہے۔

اور کلمہ و کلام منجانب حق تعالیٰ عز اسمہٗ ہوا کرتا ہے اس سے ایک عجیب قسم کا پُرکیف رعب قلب پر طاری ہوا کرتا ہے اِس حال میں سوسو سوال اور سوسو جواب ہوا کرتے ہیں۔ یہ حال کبھی چشم زدن کے لئے ہوا کرتا ہے اور کبھی دیرپا کیونکہ فعل الحکیم لایخلوعن الحکمہ۔

حضرت امام الاولیا بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

چاندنی رات تھی اور سارے عالم پر ایک سکون طاری تھا، مجھے ایک

حضوری ہوئی جس کے سامنے کائنات ایک ذرّہ معلوم ہوتی تھی، میرے دل سے ایک شور اُٹھا اور مجھ پر عجیب رعب کے ساتھ پُرکیف حالت طاری ہوئی، اسی حال میں مینے بصد ذوق و ادب عرض کی یاالٰہی ایسی عالیشان و باعظمت بارگاہ خالی اور پوشیدہ کیوں ہے؛ آواز آئی کہ ہر ناشستہ رو، ہر ناپاک اور ہر نالایق کو اس بارگاہِ مقدس میں دخل نہیں۔ پھر مینے یقین کی آنکھوں سے نور کا جلوہ دیکھا اُس وقت مجھے معلوم ہوتا تھا کہ نہ میری آنکھیں ہیں نہ میرے کان ہیں اور نہ میری ہستی ہے، نہایت سکون اور اطمینان کا عالم تھا، میرے کان سنتے نہیں تھے میری زبان بولتی نہیں تھی اور تمام کسبی علوم فراموش ہوگئے تھے پھر معلوم ہوا کہ میں پرندہ بن گیا ہوں اور صفات کی فضا میں اُڑتا ہوں اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا میں نے چار ہزار وادیاں طے کی ہیں۔

حضرت خواجہ ابوالحسین نوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔

میں نے ایک تجلی دیکھی جو محسوسات سے پرے غیب تک پھیلی ہوئی تھی اور میں اُسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ میں خود اُس میں گُم ہوگیا۔

اولیاء اللہ کو اسی طرح کے معاملات پیش آتے ہیں ۔

جب طالبانِ حق کلمہ و کلام سے سرفراز فرمائے جانے لگتے ہیں اُسوقت

نداہوتی ہے "الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوات و ما فی الارض واسبغ علیکم نعمۂ ظاھرۃ و باطنۃ" کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے وہ سب تمہارے لئے اللہ جل شانہ نے مسخر کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی طور پر تم کو عطا فرمائی ہیں۔

پھر جب طالبانِ حق اس فضل اتم پر سجدات شکر ادا کرنے لگتے ہیں تو ندا ہوتی ہے۔ "واٰتیکم من کل ما سالتموہ وان تعد ونعمت اللہ لاتحصوھاً" اور اللہ جل قدرہٗ نے وہ تمام چیزیں تم کو عطا فرمادیں جو تم کو مطلوب تھیں۔

اسی طرح کی ندائیں گوش دل سے طالب سنتا ہے اور ان کلمات مبارکہ کے ساتھ انوار معائنہ کرتا ہے اور مقاماتِ قرب ربانی کی طرف ترقی درجات ہوتی رہتی ہے۔

تصرفات شیطانی | جو لوگ اللہ جل مجدہٗ کے تعلیم وہدایت فرمائے ہوئے طریقہ سے ذکر و فکر و مراقبہ کرتے ہیں اُن کے لئے حق سبحانہ تعالیٰ ایک فرشتہ متعین فرما دیتا ہے جو شیطان کو بھگاتا اور اس کے تصرفات کو روکتا رہتا ہے اس لئے طالبانِ حق کو جو صحیح طریقہ سے راستہ چل رہے ہوں شیطان اور شیطانی تصرفات کا خطرہ ہی نہیں " اولئك کتب فی قلوبھم الایمان وایدہم

بروح منه" یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھدیا ہے اور روح سے ان کی تائید کی ہے یعنے ان کے دلوں میں اسم اللہ لکھدیا گیا ہے جس پر ایمان کی بنیاد ہے اور روح سے تائید کی یعنے فرشتہ متعین کردیا گیا ہے جو شیطانی حملوں سے بچاتا اور حفاظت کرتا ہے۔

طالبانِ حق کو اللہ جل مجدہٗ کے تعلیم فرمائے ہوئے طریقہ پر ہی عمل کرنا چاہیئے کہ اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے اور جن طریقوں کی اللہ نے ہدایت نہیں فرمائی اُن سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ ان میں قدم قدم پر خطرہ ہے "صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ" میری راہ سیدھی ہے اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ یہ تم کو اللہ کے راستہ سے متفرق کردیں گے۔

جو لوگ مسنون طریقہ پر ذکر و فکر و مراقبہ نہیں کرتے بلکہ خود ساختہ طریقوں پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ یوگیوں، اشراقیوں، راہبوں اور صوفیوں میں مروج ہیں تو اُن پر ایک شیطان مسلط ہو جاتا ہے جو وسواس و خطرات پیدا کرتا رہتا ہے یا کبھی اپنے تصرفات کے جلوے دکھاتا ہے " ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیّض لہ شیطانا فھو لہٗ قرین وانھم لیصدون ھم عن السبیل ویحسبون

انھم مھتدون"

جو کوئی ذکر اسم اللہ کے طریقہ میں تحریف کرے اور اللہ کے بنائے ہوئے طریقہ سے آنکھ چرائے اُس کے لئے شیطان مقرر ہے جو ہر وقت ساتھ رہتا ہے اور ایسے غلط راہ چلنے والوں کو جو خود ساختہ طریقوں پر چلتے ہیں اُن کے شیطان اُن کو سیدھی راہ چلنے سے روکتے ہیں اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم جس خود ساختہ طریقہ پر چل رہے ہیں یہی سیدھا راستہ ہے۔

"کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینات واللہ لایھدی القوم الظلمین"

اللہ اُن لوگوں کو کیوں ہدایت فرمائے جو خود ہی کفر کی طرف گئے ہیں حالانکہ اس سے پہلے وہ ایماندار تھے رسول کو برحق جانتے تھے اور نشانیاں دیکھ چکے تھے، اللہ ایسے گمراہوں کو کیوں ہدایت فرمانے لگا بلکہ ایسے گمراہوں پر جو سیدھا راستہ چلتے چلتے گمراہی کی طرف ہوگئے اور خود ہی اپنی خرابی کا سامان کیا ایک ایک شیطان چھوڑا جاتا ہے جو اور گمراہی میں معاونت کرتا ہے۔

"الم ترانا ارسلنا الشیاطین" کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم گمراہوں پر شیطانوں کو چھوڑتے ہیں جو ان کی طرف گمراہی کا القا کرتے ہیں "ان الشیاطین لیوحون"

ان ہی شیطانی الہامات پر اپنی تعلیمات اور اپنے معتقدات کی بنیاد رکھتے ہیں خود گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

شیطانی تصرفات کی بکثرت اقسام ہیں ہر فرقہ میں علیحدہ علیحدہ قسم کے تصرف کرتا ہے غلط طریقوں پر عمل کرنے والے شاغلین میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جو ذیعلم، باحوصلہ، بلند ہمت، اور عالی ظرف ہوتے ہیں ان میں تصرف اس طرح کرتا ہے کہ پہلے تو شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے پھر براہین و دلائل سجھاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی قوت کے جلوے بھی دکھاتا جاتا ہے حتیٰ کہ عقائد کو جن پر کہ ایمان کی بنیاد ہے خراب کر ڈالتا ہے اور کافر و مشرک بنا چھوڑتا ہے، اکثر سالکوں کو ایسے دھوکے دیتا ہے اور ایسی عجیب وغریب تجلیات دکھاتا ہے کہ وہ حیران ہو جاتے ہیں اور آخر کہیں راہ نہیں پاتے، کسی پر انوار کے ساتھ متجلی ہوتا ہے اور کہتا ہے میں اللہ ہوں پھر اُس پر ایسے معانی القا کرتا ہے جو سراسر کفر و شرک پر مبنی ہوتے ہیں، کبھی کہتا ہے کیا اللہ کُل وجود کی حقیقت نہیں ہے اور کیا تم وجودِ حق سے نہیں ہو اور کیا حق تمہاری حقیقت نہیں ہے وہ لوگ کہتے ہیں بے شک سب کی حقیقت وہی حقیقت الحقائق واجب الوجود ہے، پھر کہتا ہے جب تم حقیقت الحقائق واجب الوجود سے ہو تو پھر تم ہی تم ہو

کیونکہ اللہ تمھاری حقیقت ہے، پھر الہامات وانکشافات کی بہاریں دکھاتا ہے
اور آخر کو نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ مختلف مخلوقات کو مظہرِ کبریا تصوّر کر کے
خالق و مخلوق میں تمیز نہیں کر سکتے اور ہمہ اوست کا دم بھرنے لگتے ہیں پھر
جب یہ اعتقاد منتہی کو پہنچتا ہے تو شرک کا باعث ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں
ہمہ اوست کی بنیاد شرک ہی پر ہے چنانچہ جس قدر اعتقادات حق سبحانہ تعالیٰ جل مجدہٗ
کی وحدانیت کے باب میں ہیں ان سب سے پہلے یہی ہمہ اوست بت پرستی کا
سبب ہوا، بہت پرانے زمانہ میں تصرفات شیطانی سے سورج چاند ستاروں کی
پرستش ہوتی تھی بہت لوگ عناصر کے پرستار تھے، بہت لوگوں نے بعض نادیدہ
اور خود ساختہ معبودوں اور بالکل مفروضہ و من گھڑت چیزوں کو قابل پرستش سمجھ
رکھا تھا پھر رفتہ رفتہ شیطان نے تمام مخلوقات مادّی میں ایک روحانیت کا
سبق پڑھایا اور اس روحانیت کو وحدت در کثرت کے نام سے موسوم کیا جانے
لگا، پھر ان کے بعد کے لوگوں میں شیاطین نے اس طرح تصرف کیا کہ سب
اعتقادات کو خلط ملط کر کے ایک روح اعظم یا عقل کُل کا تصور قائم کیا جو تمام
عالم پر محیط و حاوی ہے اور سب کائنات میں طاری و ساری ہے۔

اسلام کے سوا تمام مذاہب نے روح انسانی کو روح اعظم یا عقل کُل کا جزو سمجھا، یوں کہو کہ انہوں نے اسے

آتما اور پرم آتما کے لفظوں سے ظاہر کیا یونانیوں نے روح انسانی کو ایک روح الکل یا عقل اول یا شرق الاعظم کا ایک جزو گمان کیا جو جسم انسانی میں قید ہو اور جب اس قید سے نجات پاتی ہے اپنی اصل میں جا ملتی ہے اور اگر ریاضت سے سعی کی جائے تو قید سے آزاد ہونے کے قبل یعنے موت سے پہلے بھی اپنی اصل میں مل سکتی ہے جس کو فنا در بقا کہتے ہیں،

اشراقی عقیدہ ہے کہ "حقیقی زندگی حواس سے بری ہے جو صرف ریاضت سے حاصل ہوتی ہے اور ظاہری زندگی محض دھوکا اور فریب ہے" یہ عقیدہ رہبانیت کا راس الفضائل قرار دیا گیا اور صوفیوں نے ایک مستقل عقیدہ کی حیثیت سے اسقدر دلپذیر و دل آویز پیرایہ میں بیان کیا کہ بعد کے آنے والے صوفیوں نے اپنے عقائد کا دارومدار اسی مسئلہ پر رکھا چنانچہ اُن کا قول ہے :۔ "روح اعظم جمادات میں سوتی ہے، نباتات میں کروٹ لیتی ہے، حیوانات میں بیدار ہوتی ہے، اور انسان میں برسر کار ہو جاتی ہے، پھر عروج کرکے اپنی اصل میں جا ملتی ہے"

تو جزئی و حق کُل ست اگر روزے چند
اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی

اعاذنا اللہ و جمیع المسلمین والمومنین من خبث عقائدھم و شر مکائدھم ۔

شاغلین ہیں دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو بے علم یا کم علم، پست ہمت، اور
کم ظرف ہوتے ہیں ان میں شیطان اس طرح تصرف کرتا ہے کہ پہلے اُن کو
اپنے اعمال پر فریفتہ کردیتا ہے پھر وہ کسی ہدایتِ قرانی کو قبول نہیں کرتے جو کچھ
شیطان اُن کے دل میں ڈالتا ہے اسی پرعمل کرتے ہیں پھر اُن کے دل میں ڈالتا
ہے کہ جو عمل تم کر رہے ہو اس کا ہزارواں حصّہ بھی اگر لوگ کریں تو نجات پا جائیں
ریاضات میں کمی کرو اور آرام لو پھر جب وہ آرام طلب ہو جاتے ہیں تو اُن کو
معصیت کی رغبت دلاتا ہے اور کہتا ہے اللہ غفور رحیم ہے پھر جب وہ معصیت
کی طرف مائل ہو جاتے ہیں تو کہتا ہے ذاتِ انسان ایک بحرِ بے پایان توحید کا
ہے اس میں ہر چیز پاک ہو جاتی ہے، اُن کے نزدیک کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا
اور وہ زندیق ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اُنچہ در کانِ نمک رفت نمک شد، گویا
بخیال خویش کانِ نمک ہو جاتے ہیں حرام کو بھی حلال سمجھتے ہیں پھر ان زندیقوں
میں سے جس کے پاس خلق خدا کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے تو شیطان اس کے جسم میں
سرایت کر جاتا ہے اس کی حالت دیوانوں مجنونوں کی سی ہو جاتی ہے پھر اُس کو
لوگوں کی بعض پوشیدہ باتیں بھی بتا دیتا ہے تاکہ وہ لوگوں سے کہے اور لوگ
اُسے ولی اللہ بزرگ سمجھیں، پھر جب یہ "شیطان زدہ"، لوگوں کی نظروں میں

خدا رسیدہ مجذوب یقین کیا جانے لگتا ہے اور دور دور سے مخلوق آنے لگتی ہے تو اپنی شیطنت کا جال بچھاتا ہے اور شرک و بدعت پھیلا دیتا ہے، ذی ہوش اور تعلیمیافتہ لوگ بھی ان شیطان زدہ پاگلوں سے فیضِ کفر حاصل کرنے لگتے ہیں۔

صحابہ کرام میں کوئی مجذوب نہیں ہوا، تابعین اور تبع تابعین میں بھی کسی مجذوب کا وجود نہیں کیونکہ طریقت کی تعلیم بموجب ہدایتِ ربانی جیسی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں فرمائی اُسیطرح تابعین کو پہنچی اور اُن سے تبع تابعین کو ملی اِس صراطِ مستقیم میں شیطان کا کہاں گذر، اس لئے کوئی مجذوب نہیں ہُوا، دوسری صدی ہجری میں بعض شوقین لوگوں نے اہل حق و طریقت اولیاء اللہ کے فیوض و برکات دیکھ کر خود بھی اُن جیسا بننا چاہا تعلیم تو اُن بزرگانِ طریقت سے حاصل کی نہیں اِدھر اُدھر کے مذاہبِ باطلہ کی سنی سنائی باتوں پر اور کچھ اپنی ذہانت سے خود ساختہ طریقے وضع کرکے عمل شروع کردیا اور شیطان کو تصرف کرنے کا پورا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ طرح طرح کے اذکار واشغال اور قسم قسم کے مراقبات و اعمال اختراع ہوگئے، کہیں برزخ کی مشاقی ہے کہیں ترزخ کی، کوئی فنا فی الشیخ ہے کوئی فنا فی الرسول، کوئی لطائف کی

سیر کر رہا ہے کسی کو مشاہدۂ ذات ہو رہا ہے کوئی سلوک طے کر رہا ہے کوئی مقامات گن رہا ہے، کوئی حلقہ و توجہ میں وقت برباد کر رہا ہے کوئی حال قال میں تضیع اوقات، یہ سب امور تصرفاتِ شیطانی کا نتیجہ ہیں، لوگ عمریں ان ہی خرافات میں گذار دیتے ہیں۔ غرض تمام مذاہبِ باطلہ و ادیانِ ناقصہ کی تعلیمات جمع کر کے گمراہی اختیار کی ہے۔ اب اگر اِن بدعات و خرافات کی تفصیلات بیان کی جائیں تو ایک دفتر ہو جائے مگر چونکہ یہ چیزیں سکۂ رائج الوقت کی طرح اپنا سکہ جمائے ہوئے ہیں اس لئے طالبانِ حق کو آگاہ کرنے کی غرض سے بعض امور کی حقیقت مختصراً بیان کی جاتی ہے :۔

حلقہ اور توجہ اشراقیوں اور رُہبانوں کا طریقہ ہے، طریقتِ اسلامیہ سے دور کا بھی علاقہ نہیں، صوفیوں کے بعض طریقوں میں حلقہ و توجہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور خانقاہوں کی رونق اسی کے دم قدم سے ہے، جو لوگ اس بدعت میں مبتلا ہیں وہ جیسے روزِ اول تھے ویسے ہی روزِ آخر دیکھے جاتے ہیں بعض لوگوں کو سالہا سال اس بیکار مشغلہ میں وقت برباد کرتے گذر گئے بعض تو آنکھوں میں خون اُتر آنے کے سبب اندھے ہو گئے۔ ہم نے بعض حلقہ والوں سے جن کی قریباً تمام عمر اسی بدعت میں گذری دریافت کیا کہ کیا معلوم و محسوس ہوتا ہے

اور کتنے لطائف کھلتے ہیں اور کتنی تجلیات ہوتی ہیں تو کہا کہ ایک اندھیرا معلوم ہوتا ہے اور کچھ گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے لطائف ابھی کھلے نہیں البتہ تجلیات کبھی کبھی ہوتی ہیں جن سے ایک وحشت پیدا ہوتی ہے اور سر میں درد ہونے لگتا ہے۔

یہ لطائف جو صوفیوں میں روشن ہوتے ہیں یوگیوں سے لئے گئے ہیں۔ یوگیانِ ہند لطیفہ کو کنول کہتے ہیں ان کے یہاں چھ لطیفہ ہیں صوفیوں نے چھیوں لطیفے اپنے طریقہ میں داخل کر لئے اور عربی نام وضع کئے بعض کا ایک لطیفہ روشن ہے بعض کے دو اور بعض کے سب پھر جن کے سب لطیفے روشن ہیں اور جن کا ایک بھی روشن نہیں ہے حال میں دونوں برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہے جیسا وہ حیران ہے ایسے ہی یہ سرگرداں ہیں۔

اور جن کو مشاہدۂ ذات ہو رہا ہے یہ درحقیقت شیطان کی جھپٹ میں آ گئے ہیں اور جو لوگ سلوک طے کر چکے ہیں اور جن کو سلوک کی ہوا بھی نہیں لگی دونوں ایک ہی حال میں پائے جاتے ہیں۔

فنافی الشیخ اور فنافی الرسول کھلا ہوا شرک ہے یہ طریقہ سادھوؤں کا ہی کہ ماسوے اللہ میں فنا ہونے سے فنافی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے، اسی طرح

برزخ اور ترزخ کی مشقیں بھی اغیار سے لی گئی ہیں جن کو طریقتِ اسلامیہ سے کوئی علاقہ نہیں اور یہ قطعاً کفر ہے۔

حال اور کیفیات بھی شیطانی تصرفات کا نتیجہ ہیں، طالبانِ حق کو کامل احتیاط کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو مستند اور متحقق ہو، ورنہ صوفیانہ طریقوں پر عمل کرنے سے سوائے تباہ حالی اور گمراہی کے کچھ حاصل نہ ہوگا جیسا کہ عام طور سے دیکھا جاتا ہے۔

طاغوتیت اسی سلسلہ میں طاغوتی اعتقاد کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے صوفیہ تو اس اعتقاد کے بانی ہی ہیں مگر غیر صوفی بھی اس اعتقاد کے گرویدہ ہیں اور عامۂ مومنین میں بھی یہ اعتقاد پھیلتا جاتا ہے، اب تو طاغوتیات کا ایک مستقل فن بنگیا ہے اور اس کے احکام و مسائل جداگانہ مرتب ہوگئے ہیں قسم قسم کے مراقبات اور طرح طرح کے اعمال و اشغال وضع ہو کر شرک و بدعت کا باقاعدہ قانون تیار ہوگیا ہے۔

"طاغوتیت" سے مراد قبر پرستی ہے، اس مذہب قبر پرستی کا بہت پرانے زمانوں سے وجود چلا آتا ہے اور تمام گذشتہ امتوں میں اس طاغوتی عقیدہ کے لوگ موجود رہے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

"ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت"

ہم نے ہر ایک امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور قبر پرستی سے باز رہو۔

اس آیتہ شریف سے معلوم ہُوا کہ تمام امتوں میں شیطان نے قبر پرستی کا سبق پڑھایا تھا جس کے انسداد کے لئے انبیا علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور امت محمدیہ میں بھی گروہِ صوفیہ نے طاغوتی اعتقاد پھیلا دیا ہے ایسی صورت میں سد باب کی کونسی راہ ہو سکتی ہے؟ سنو! علام الغیوب نے اپنے نبی آخر الزماں خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کتاب نازل فرمائی جو امام مبین اور ہدیٰ و نور ہے آخر زمانہ تک یہ کتاب موجود رہے گی اور ہر فتنہ کا انسداد اسی کتاب سے ہوتا رہے گا چنانچہ قبر پرستی کے باب میں یہ امام مبین ڈنکے کی چوٹ یہ فرمانِ ربانی سنا رہا ہے:۔

"قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم"

گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی پس جو کوئی قبر پرستی سے تنفر کے ساتھ دور بھاگے اور اللہ وحدہٗ لاشریک پر ہی ایمان رکھے تو گویا اس نے ایک مضبوط رسّی تھام لی جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے، اللہ ہی ہر فریاد کو سنتا ہے

اُس کے سوا کوئی اور فریاد کا سننے والا نہیں اور اللہ ہی دلوں کے سب ارادے جانتا ہے کوئی دوسرا دلوں کا حال جاننے والا نہیں،

تم مرے ہوئے لوگوں کو اپنی پکار نہیں سنا سکتے "انك لا تسمع الموتی" اور "ان تدعوھم لا یسمعو دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم" تم مُردوں کو پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنتے نہ تمھاری دعا قبول کر سکتے قیامت کے دن وہ تمھارے اس مشرکانہ فعل پر نفرت کا اظہار کریں گے۔

"لا تدع من دون اللہ ما لا ینفعك ولا یضرك" ماسوی اللہ کو نہ پکارو جو تمھارا نفع نقصان کچھ نہیں کر سکتے۔ "الیس اللہ بکاف عبدہ ویخوفونك بالذین من دونہ ومن یضل اللہ فما لہٗ من ھاد" کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں؟ اور یہ گمراہ لوگ تم کو ماسوا سے ڈراتے ہیں (تاکہ تم بھی ارواح مردگان سے خوف زدہ ہو کر مثل ان گمراہوں کے قبر پرست ہو جاؤ) جس کو اللہ گمراہ کرے اُس کا کوئی ہادی نہیں (جیسا کہ ان طاغوتی لوگوں کا حال ہے) کیا تم ماسوی اللہ سے ڈرتے ہو؟ افغیر اللہ تتقون۔

تم ہرگز ان طاغوتی لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کرو یہ تو ماسوی اللہ کی عبادت

کرتے ہیں " یعبدون من دون اللہ " اور کہتے ہیں کہ یہ ارواح مرگان اللہ
کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں " ھٰؤلاء شفعاء نا عند اللہ " حالانکہ اللہ کے
سوا کوئی حامی نہیں نہ کوئی سفارشی ہے " لیس لھا من دون اللہ ولی ولا
شفیع " اللہ کے سوا کوئی معین ومددگار نہیں " مالکم من دون اللہ من ولی
ولا نصیر " پس جو چاہے اپنے پروردگار کی راہ اختیار کرے کہ یہی سیدھی
اور سچی راہ ہے۔

" فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا "

قبر پرستی کا اعتقاد کفر ہے جو لوگ اس عقیدہ کو دوست رکھتے ہیں اُن کو یہ
عقیدہ ایمان کی روشنی سے نکال کر کفر کی تاریکیوں میں ڈالتا ہے۔

" والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمت "

مقبروں اور مزاروں پر چلہ کش ہونا منتیں ماننا، چڑھاوے چڑھانا، یا اور
اسی طرح کی حرکات کرنا یہ سب کفر ہے، اور اہل قبور کو حاجت روا سمجھنا شرک ہے،
قبروں پر نذر ونیاز کرنا بدعت ہے۔ یہ کہنا کہ ہم تو محض تعظیم کرتے ہیں تاویل اور
حیلہ ہے کفار عرب اور دیگر امتوں کے قبر پرست بھی ایسی ہی تاویلیں اور حیلے
کیا کرتے تھے۔

قبروں پر مراقبے کرنا، وظیفے پڑھنا، اور مشق تصورات کرنا سراسر ضلالت وگمراہی ہے اور یہ کہنا کہ ہم کو مکاشفات ہوتے ہیں اور انوار نظر آتے ہیں اور کیفیات پیدا ہوتی ہیں یہ سب محض ڈھونگ ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ سرنگوں بیٹھنے سے خون کی گردش وروانی میں ایک غیر معمولی حرکت ہوتی ہے جس سے ابخرات آنکھوں کے پردوں میں آکر کبھی روشنی اور کبھی دھواں دھار اندھیرا پیدا کردیتے ہیں ان بخارات کا نام صوفیہ کی اصطلاح میں کیفیات اور عوام کی اصطلاح میں فیوض وبرکات ہے، اِن بخارات میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واہمہ ومتخیلہ کچھ اشکال وصور پیدا کردیتا ہے یا کبھی شیطان تصرف کرکے کوئی جلوہ دکھا دیتا ہے کشف اسی کا نام ہے، طاغوتی مکاشفات کی حقیقت بس اسی قدر ہے جو بیان کی گئی۔

اب رہا کشف قبور اور کشف ارواح، یہ عالم مکاشفہ سے تعلق رکھتا ہے جو ایمان کی روشنی میں اولیاء اللہ پر منکشف ہوا کرتا ہے جس کو تصوف کی ملحدانہ تعلیمات سے دور کا بھی علاقہ نہیں، صوفیوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی یہ تو فضل الٰہی سے صرف اہل ایمان اور صاحب ایقان اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

اوراد

ذکر قلبی اور شغل پاس انفاس کے ساتھ ساتھ اوراد بھی ضروری ہیں سب سے بہتر اور ضروری ورد تلاوتِ کلام اللہ ہے روزانہ صبح جس قدر ہو سکے پابندی سے تلاوت کرنا چاہیئے ترجمہ سمجھ کر نہایت غور و فکر کے ساتھ ہر آیت کو بار بار دُہرانا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ حکیم مطلق جل مجدہٗ نے کیا تعلیم و ہدایت فرمائی ہے۔

"اتل مآ اوحی الیک من کتاب ربک"

ترجمہ ایسا منتخب کرنا چاہیئے جس میں مرادی معنوں اور تاویلوں کی بھرمار نہ ہو ہماری دانست میں آج تک کوئی ایک ترجمہ بھی ایسا نہیں ہوا جو مذکورہ نقص سے پاک ہو، تاہم مولوی فتح محمدؐ جالندھری کا ترجمہ تلاوت کے وقت پیشِ نظر رکھا جائے اور ترجموں سے یہ بہتر ہے۔

تلاوت کے بعد طریقہ کے مخصوص اوراد کو بھی پڑھنا چاہیئے جو کلمات اور اسمارِ حُسنیٰ ہیں۔

کلماتِ طیبہ | یہ چھ کلمے ہیں جو شش جہت سے ہر بلا و آفات کو روکتے ہیں۔

"الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ"

کلمات طیبہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف عروج کرتے ہیں اور عمل صالح انھیں بلند کرتا ہے۔ "وھدوا الی الطیب من القول وھدوا الی صراط الحمید" وہ ہدایت کئے گئے پاک کلموں کی اور اُن کو صراط الحمید دکھائی گئی۔ صراط الحمید بھی طریقت کو کہتے ہیں۔

ان کلمات شریفہ کو ملاحظہ معانی کے ساتھ نہایت خوش الحانی سے صاف صاف حروف ادا کر کے پڑھنا چاہیئے اسی طرح اسماء حُسنیٰ۔

(۱)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(۲)

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

(۳)

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

(۴)

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(۵)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَآ اَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ وَاَسْلَمْتُ وَاَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

(۶)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ

درود شریف "ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما"

اس آیت شریف سے درود کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حقیقتِ حال بھی یہ ہے کہ بغیر درود شریف کے وِرد کے باطنی کشود کا رمحال ہے تجربہ سے معلوم ہوا کہ جس قدر درود شریف کی کثرت کی جاتی ہے اتنی ہی جلد کشود ہوتا ہے حسب ذیل درود شریف ہمارے طریقہ کا معمول ومختار ہے:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَسَلَّمْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اسماء حسنیٰ

" وللّٰهِ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ"

يا الله [1]	يا رحمن [2]	يا رحيم [3]	يا ملك [4]	يا قدوس [5]	يا سلام [6]
يا مؤمن [7]	يا مهيمن [8]	يا عزيز [9]	يا جبار [10]	يا متكبر [11]	يا خالق [12]
يا بارئ [13]	يا مصور [14]	يا بديع [15]	يا قادر [16]	يا حفيظ [17]	يا قوي [18]
يا رب [19]	يا احد [20]	يا صمد [21]	يا واحد [22]	يا قهار [23]	يا وهاب [24]
يا رزاق [25]	يا فتاح [26]	يا غفار [27]	يا اول [28]	يا آخر [29]	يا ظاهر [30]
يا باطن [31]	يا نور [32]	يا عليم [33]	يا شهيد [34]	يا حكيم [35]	يا لطيف [36]
يا خبير [37]	يا سميع [38]	يا بصير [39]	يا حليم [40]	يا غفور [41]	يا شكور [42]
يا علي [43]	يا عظيم [44]	يا كريم [45]	يا رؤف [46]	يا كبير [47]	يا مجيد [48]
يا ودود [49]	يا قريب [50]	يا مجيب [51]	يا حق [52]	يا ولي [53]	يا حميد [54]
يا وكيل [55]	يا قدير [56]	يا تواب [57]	يا عفو [58]	يا غني [59]	يا جامع [60]

يَارَقِيبُ[٦١] يَامُقِيتُ[٦٢] يَاحَسِيبُ[٦٣] يَابَرُّ[٦٤] يَاوَاسِعُ[٦٥]
يَاحَيُّ[٦٦] يَاقَيُّومُ[٦٧]

دُعَاءِ قُدْسِی

يَا رَفِيعَ الدَّرَجَاتِ يَا عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ يَا مَالِكَ الْمُلْكِ
يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَظَمَتِكَ وَعَلٰى مُلْكِكَ وَمُنْتَهَى
الرَّحْمَةِ مِنْ رِّضْوَانِكَ وَلَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِیْ لِكَرَمِ وَجْهِكَ وَعِزِّ
جَلَالِكَ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى دَوَامِ اِحْسَانِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ اَللّٰهُمَّ
اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَاَسْئَلُكَ الْعِصْمَةَ فِی الْحَرَكَاتِ وَالسَّكَنَاتِ
وَالْكَلِمَاتِ وَالْاِرَادَاتِ وَالْخَطَرَاتِ مِنَ الظُّنُوْنِ وَالشُّكُوْكِ
وَالْاَوْهَامِ السَّاتِرَةِ لِلْقُلُوْبِ عَنْ مُطَالَعَةِ الْغُيُوْبِ وَاَسْئَلُكَ
الْعَوْنَ وَالْعَدْلَ عَلٰى هٰذِهِ النَّفْسِ الْاَمَّارَةِ بِالسُّوْءِ وَالْاِشْتِغَالَ
بِمَا يُقَرِّبُنِیْ اِلَيْكَ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰى نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ فِیْ حِفْظِ مَا مَلَّكْتَنِیْ
اِيَّاهُ لِمَا اَنْتَ اَمْلَكُ بِهٖ مِنِّیْ وَاحْفَظْنِیْ بِرَقِيْقَةٍ مِنْ رَّقَائِقِ اِسْمِكَ
الَّذِیْ حَفِظْتَ بِهٖ نِظَامَ الْمَوْجُوْدَاتِ وَبِاِسْمِكَ الَّذِیْ تُنَزِّلُ بِهِ الْمَطَرَ

وَالرَّحْمَةَ عَلٰى مَنْ تَشَآءُ مِنْ عِبَادِكَ رَبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَدْخِلْنِىْ
مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا
نَّصِيْرًا ہ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ وَاجْعَلْنِىْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ وَلَا
تُخْزِنِىْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ وَاِمَّا تُرِيَنِّىْ مَا يُوْعَدُوْنَ وَاِنَّا عَلٰى اَنْ نُّرِيَكَ مَا
نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ہ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ وَافْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ بِلُطْفِكَ
الْخَفِىِّ الَّذِىْ مَنْ تَلْطُفُ بِهٖ كَفَاهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ رِيْحًا طَيِّبَةً وَّمُلْكًا لَّا يَنْبَغِىْ لِاَحَدٍ
مِّنْ بَعْدِىْ وَاَكْسُنِىْ بِدِرْعٍ مِّنْ كِفَايَتِكَ وَكِفَالَتِكَ وَقَلِّدْنِىْ بِسَيْفٍ
مِّنْ سُيُوْفِ نُصْرَتِكَ وَحِمَايَتِكَ وَتَوِّجْنِىْ بِتَاجِ عِزِّكَ وَكَرَمِكَ وَرَدِّنِىْ
بِرِدَآءِ اَمْنِكَ وَسُلْطَانِكَ وَاَرْكِبْنِىْ مَرْكَبَ النَّجَاةِ فِى الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ
وَامْدُدْنِىْ بِرَقِيْقَةٍ مِّنْ رَّقَآئِقِ اِسْمِكَ الْمَخْزُوْنِ الْمَكْنُوْنِ الْجَلِيْلِ الْاَجَلِّ
الْكَبِيْرِ الْاَكْبَرِ الْعَظِيْمِ الْاَعْظَمِ تَدْفَعُ بِهَا عَنِّىْ مَنْ اَرَادَنِىْ بِسُوْءٍ وَّتَوَلَّنِىْ
بِوِلَايَةِ الْعِزِّ وَالْمَهَابَةِ وَاَلْقِ عَلَىَّ مِنْ زِيْنَتِكَ وَمَحَبَّتِكَ وَكَرَامَتِكَ
وَخَشْيَتِكَ وَمِنْ نُّعُوْتِ رُبُوْبِيَّتِكَ مَا تَبْهَرُ بِهِ الْقُلُوْبُ وَتَذِلُّ

لَهُ النُّفُوْسُ وَتَخْضَعُ لَهُ الرِّقَابُ وَتَشْخَصُ لَهُ الْاَبْصَارُ بِالْعَطْفَةِ
وَيَصْغُرُ لَهُ كُلُّ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ وَّيُسَخَّرُ لَهُ كُلُّ مَلِكٍ قَهَّارٍ يَا ذَا الْمُلْكِ
وَالْمَلَكُوْتِ يَا ذَا الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْجَلَالِ
وَالْجَمَالِ وَالْكَمَالِ وَالْبَقَاءِ وَالثَّنَاءِ وَالضِّيَاءِ وَالْاٰلَاءِ وَالنَّعْمَاءِ
وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ يَا عَلَّامَ الْغُيُوْبِ يَا خَالِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۝ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ
وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ
وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الْجِنِّ وَالتَّوَابِعِ وَالسَّحَرَةِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَّكُوْنُ
فِي الْجِبَالِ وَالْحِيَاضِ وَالْخَرَابِ وَالْعِمْرَانِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَّكُوْنُ
فِي الْبِحَارِ وَالْبَرَارِيْ وَالْمَفَاوِزِ وَالْبُلْدَانِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ النَّوَاوِيْسِ
وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الطُّيُوْرِ وَسَاكِنِ الْقُبُوْرِ وَسَاكِنِ الطُّرُقِ وَسَاكِنِ الْبُحُوْرِ وَمِنْ شَرِّ
كُلِّ غُوْلٍ وَّغُوْلَةٍ وَّسَاحِرٍ وَّسَاحِرَةٍ وَّمِنْ شَرِّ الطَّيَّارَاتِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ
وَّمِنْ شَرِّ كُلِّ دَيْنٍ وَّمِنَ الْبَلَايَا وَالْاٰفَاتِ ۝ يَا رَبِّ اسْتَجِبْ دَعْوَتِيْ
بِاَسْمَآئِكَ الْحُسْنٰى كُلِّهَا وَبِاَعْظَمِ اَسْمَآئِكَ وَبِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَبِنُوْرِ
وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ بِهِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرَضُوْنَ سُبْحَانَ

رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى مَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى حَمَلَةِ الْعَرْشِ وَعَلٰى جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ وَ
مَلَكِ الْمَوْتِ وَرِضْوَانَ وَمَالِكٍ وَّعَلَى الْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ بِرَحْمَتِكَ
يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ط

اس دعائے جلیل القدر کے عجیب و غریب اوصاف و تاثیرات اور حیرت خیز اثرات و خواص بیان کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، اِس مبارک دُعا کا آغاز ہماری ۱۸ سالہ عمر میں ہوا تھا جبکہ ہم کسی ویران و پُر خطر مقام میں بشرائط خلوت بحالت اعتکاف چلہ کش تھے، اس دعائے مقدس کی جو برکات ظہور میں آتی رہیں اُنکا شمار ممکن نہیں مسلسل چلوں میں پیہم برکات کا ظہور ہوتا رہا اور ایک عالمِ طلسم نظر کے سامنے سے گذر گیا، کامل ۲۷ سال میں یہ دعائے منور بتائید ربانی تمام ہوئی۔

ہم نے اپنے تمام متوسلین کو روزانہ ایک بار اس دعائے مبارک کے ورد کی اجازت دی ہے جو طالبانِ حق بشرائطِ خلوۃ و اعتکاف قصدِ دعوت

کریں وہ ہم سے یا ہمارے مجازین سے اجازت خاصہ حاصل کرکے تکمیل دعوت کریں۔

دعوت کے لئے اس مبارک دعا کی کوئی تعداد نہیں ہے کیونکہ دعواتِ حق مرہونِ شمارہ نہیں ہوا کرتیں، اس لئے جو طالبانِ حق بطریق دعوت پڑھیں وہ نماز پنجگانہ، تہجد، ذکر قلبی، اوراد خصوصی، تلاوتِ کلام اللہ، اور حوائج ضروریہ وخواب کے بعد جس قدر وقت ملے شبانہ روز اس مبارک دعا کو بلند آواز سے ایک ایک حرف صاف ادا کرکے تا اختتام چلّہ پڑھتے رہیں۔ ختم خلوۃ واعتکاف کے بعد روزانہ صبح وشام ایک ایک بار ملاحظہ معانی کے ساتھ پڑھا کریں۔ اسطرح چند چلّے کریں اور دعوت کو جاری رکھیں۔

طریق عمل ہمارے متوسلین میں سے بعض شوقین عزیزوں نے ہم سے دعائے قدسی کو بطور عمل پڑھنے کی بھی اجازت چاہی، چنانچہ ہم نے بعض مجازین کو اس کے شرائط اور بعض خاص اشارات ومقامات جو مخصوص حاجات سے متعلق ہیں بتا دئے ہیں، یہاں چند ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں:-

ہر جائز حاجت کے لئے بطور عمل اس مبارک دعا کو پڑھ سکتے ہیں۔

عمل کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اُس مقام کو معلوم کرے جو اپنی حاجت سے

مناسبت رکھتا ہے پھر اس دعا کو بطہارت ظاہری و باطنی کسی خاموش و تنہا جگہ میں ۷۷ بار مع اسماء حسنیٰ پڑھے اور ہر بار میں جب اُس مقام پر پہنچے جو اپنی حاجت کے مناسب ہے تو اس فقرہ پر ذرا توقف کرے اور اپنی حاجت کا تصوّر کر کے بدرگاہِ مجیب الدعوات دل سے رجوع ہو، امید کامیابی اور یقین قبولیت کے ساتھ دعا کو پوری کرے، اسی طرح عمل کو اس وقت تک جاری رکھے جب تک حاجت پوری نہ ہو۔ تعداد ایام کی کوئی قید نہیں ہے، جب مراد مل جائے عمل کو بند کر کے ایک بار روزانہ کا معمول رکھے۔

شرائط تقویٰ اور تورع سے اس دعا کا بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے، سب سے بڑی شرط اس دعا میں اکل حلال اور صدق مقال کی ہے، جو لوگ ناپاک کھانا کھا کر اس دعا کو پڑھیں گے اُنھیں قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ غیر مسلم کے ہاتھ کا یا گھر کا یا دوکان کا کھانا پینا یا اشیاء خوردنی و نوشیدنی ناپاک ہیں، یہ کہنا کہ قیمت ادا کرنے سے چیز پاک ہو جاتی ہے محض لغو ہے اور شیطان کا پڑھایا ہوا سبق ہے

«لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبك كثرة الخبیث»

ناپاک اور پاک برابر نہیں خواہ تم کو ناپاک کی کثرت سے دھوکا ہو۔

حلال کے ساتھ طیب کی قید بھی ہے، جو حلال چیز پاک نہ ہو وہ خبائث میں داخل ہے، اس لئے حلال و حرام کے ساتھ پاک و ناپاک کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ جو لوگ پاک و ناپاک کا خیال نہیں کرتے اور غیر مسلم کا اکل و شرب جائز سمجھتے ہیں

اُن کو کبھی کوئی روحانی کیف اور نورانی لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔
اس مبارک دعا کے عمل میں ہر حلال و طیب چیز استعمال کر سکتے ہیں ترکِ حیوانات غیر مسنون طریقہ ہے بلکہ مبتدعانہ فعل ہے، ہمارے یہاں بجائے ترک حیوانات کے ترکِ خبائث ہے یعنی غیر مسلم کا اکل و شرب۔
اگر کوئی شخص اس دعا کا عامل ہونا چاہے تو اس کو چاہیئے کہ:۔ بشرائط خلوت واعتکاف اور با ترکِ خبائث بہ نیتِ ادائے زکوٰۃ ایک ہزار بار اس دعا کو پڑھے خواہ تین دن میں یا پانچ یا سات دن میں پوری کرے۔ اس کے بعد حسب استطاعت مساکین کو کھانا کھلائے۔ مزید تفصیلات ہمارے مجازین سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔
چونکہ یہ دعائے منور اسم اعظم کی برکات سے مملو ہے اس لئے اگر کوئی شخص عامل ہونے کے بعد آبادی سے دور کسی سنسان مقام میں دریا کے کنارے یا پہاڑ پر روزانہ دعائے قدسی کو بلند آواز سے قرأت و خوش الحانی کے ساتھ صبح و شام چند بار پڑھا کرے تو تمام گرداگرد کے وحوش و طیور، فرشتگانِ ہوائی، موکلانِ علوی، مومن اجنہ، اور وہ ملائکہ عنصریوں جن کا مرتبہ فلکِ قمر سے نیچے ہے مانوس ہوں۔

اختتام

طریقت کا مدعا و مقصد یہ ہے کہ دل مکروہاتِ دنیاوی سے آزاد ہو کر حضور و شہود حق سے آباد و معمور ہو جائے اور اطمینان قلبی میسر ہو کر قرب ربانی کا شرف حاصل ہو جو منتہائے عبودیت ہے،

جب طالبِ صادق خود میں شانِ عبودیت پیدا کر کے استقامت کے ساتھ راہ حق طے کرتا ہے تو قدم قدم پر جلوہ ہائے معرفت خیر مقدم کرتے ہیں اور نور ربانی پرتوافگن ہو کر منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

راہِ راست کی شناخت ہی یہ ہے کہ اُس کا رہرو گمراہ نہیں ہوتا صداقت کا نور ساتھ ہوتا ہے جو منزل بمنزل رہنمائی کرتا ہے، اور غلط راستوں پر چلنے والا ہمیشہ بھٹکتا رہتا ہے، قزاقوں اور غارتگروں کے حملوں سے قدم قدم پر مقابلہ ہوتا ہے، باطل اوہام راہنما ہوتے ہیں نفس وشیطان دستگیری کرتے ہیں اور ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔

صحیح راستہ معلوم ہونے پر کسی غلط راہ پر چلنا محض اغوائے شیطانی ہے اور خود اپنی تباہی کے سامان کرنا ہے، غلطی اور ناراستی کسی شکل میں ہو موجبِ ہلاک ہوتی ہے۔ ہر ذی شعور کو وہی راہ اختیار کرنی چاہیئے جو مہالک وخطرات سے پاک اور موصل الی المطلوب ہو،

الحمد للہ اس مختصر کتاب میں راہ حق کے نشانات ہادی مطلق ہی کے ہدایت فرمائے ہوئے لکھے گئے ہیں اگر توفیق ربانی شامل حال ہو تو طالبان حق کو ان ہی نشانہائے ہدایت کے موافق راہ طے کرنا چاہیئے، یقین ہے کہ کریم مطلق جل شانہ اپنی رحمت سے راہ کی مشکلیں آسان فرما کر مقامات قرب میں سے جس مقام کے قابل استعداد ہوگی پہنچا دے گا۔

"والذین جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون لہم مایشاؤن عند ربہم ذٰلک جزاء المحسنین"۔

رسول جو کلام حق لے کر آئے (جس میں راہ حق کی ہدایات ہیں) اور جس ایمان والے نے اُس کی تصدیق کی یہی لوگ متقی ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے قرب میں ان کی مانگی مراد ہے جو یہ چاہیں یہ جزا ہے احسان کی راہ چلنے والے اہل طریقت کی۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ وعلیٰ عباد اللہ الصالحین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ — داعی الخیر

آستانہ - بھوپال — قدسی